تدبر
لاہور

زیرِ نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر:

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمتہ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمایئے

حکمت قرآن

موضوعات:

- امام فراہیؒ کا تصور حکمت
- حکمت کا مفہوم
- حکمت کی اصل اور اس کی فروع
- حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
- حکمت اور قرآن حکیم
- حکیم کا طرز فکر و تعلیم
- دین اسلام کا نظام
- مذاہب پر غور کا طریقہ
- دین اسلام کی بنیادیں

ترجمہ: خالد مسعود — قیمت = -/75 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ - اچھرہ، لاہور 54600

فون = 7595200

زیر نگرانی:

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

تدبر لاہور

جنوری 1996ء

شمارہ نمبر 52

رمضان 1416ھ

مجلس ادارت:

عبداللہ غلام احمد

ماجد خاور

محبوب سبحانی

سعید احمد

قیمت: -/10 روپے

سالانہ: -/40 روپے

بیرون ملک: -/200 روپے

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

ترکی کے انتخابات	خالد مسعود	2

تدبر قرآن

تفسیر سورہ بنی اسرائیل (2)	خالد مسعود	5

تدبر حدیث

وضو کے مسائل	امین احسن اصلاحی/ سید اسحاق علی	11
دیت کے احکام	امین احسن اصلاحی/ سعید احمد	20

افاداتِ فراہیؒ

تلاش نظم کے لیے چند اہم اشارات	خالد مسعود	31

مقالات

فتح مکہ کی تکمیل	خالد مسعود	38

ناشر: اِدارہ تدبرِ قرآن وحدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبع: المطبعۃ العربیۃ لاہور

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

ترکی کے انتخابات

برادر ملک ترکی کی پارلیمنٹ کے دسمبر1995ء کے انتخابات کے نتائج لوگوں کی توقعات سے بالکل مختلف رہے۔ پارلیمنٹ کی 550 نشستوں میں سے 158 نشستوں پر اسلامی رفاہ پارٹی جیتی جس کے سربراہ نجم الدین اربکان ہیں۔ یہ پارٹی ترکی میں سیکولرزم کا خاتمہ اور مغربی ممالک کے اثر و رسوخ میں کمی چاہتی ہے۔ یہ پارٹی نئے بین الاقوامی الحاق یورپین یونین میں ترکی کی رکنیت کی مخالفت اور مسلم ممالک کے ساتھ مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہشمند ہے۔ اس اعتبار سے پارلیمنٹ کی سب سے بڑی پارٹی کے طور پر رفاہ کا انتخاب برادر ترک قوم کے اسلام کی طرف رجوع کی غمازی کرتا ہے۔ اس انتخاب میں سابق حکمران پارٹی مادام تانسو چیلر کی ٹروپاتھ نے 19.2 فی صد ووٹ حاصل کرکے 135 نشستیں جیتیں جبکہ اس کی حریف مدر لینڈ پارٹی کے حصے میں 131 نشستیں آئیں' حالانکہ اس کے حاصل کردہ ووٹ قدرے زیادہ یعنی 19.6 فی صد تھے۔ مدر لینڈ پارٹی کے سربراہ مسعود یلماز ہیں جو مادام چیلر کے سیاسی ہی نہیں ذاتی مخالف بھی ہیں۔ یہ دونوں پارٹیاں دائیں بازو سے تعلق رکھتی ہیں لیکن سیکولرزم اور مغرب کے ساتھ قریبی تعلقات کی حامی ہیں۔ پارلیمنٹ میں جگہ پانے والی باقی دو پارٹیاں بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک سابق وزیر اعظم بلند ایجوت کی ڈیموکریٹک لیفٹ پارٹی نے 76 اور کمال اتاترک کی قائم کردہ ری پبلکن پیپلز پارٹی نے 50 نشستیں حاصل کیں۔ چونکہ پیپلز پارٹی مذہب اور مذہبی اقدار کو اہمیت نہیں دیتی اس لیے پارلیمنٹ میں اس کی واجبی سی نمائندگی اس کی فکر کی شکست کے مترادف ہے۔

ترکی میں دین اور سیکولرزم کی کشمکش انیسویں صدی میں شروع ہو گئی تھی۔ 1837ء کے بعد سے تنظیمی اصلاحات کے دور میں تعلیم' فوج' انتظامیہ اور عدلیہ کو سیکولر بنا دیا گیا۔ ینگ ترک اس تبدیلی میں پیش پیش تھے۔ سلطان عبد الحمید دوم (1876-1909) نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی حمایت کی لیکن مغربی تصورات کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن ینگ ترک مذہب کو سیاست سے علیحدہ کرنے پر مصر رہے۔ جنگ عظیم اول میں ترکی کی شکست نے نوجوان ترکوں کو امور مملکت پر حاوی ہونے کا موقع دیا اور مصطفیٰ کمال نے دین کے مرکز قوت ہونے کے تصور ہی کو کچل کر رکھ دیا۔ 1924 میں اس نے خلافت کا خاتمہ کر دیا' 1928 میں ملکی دستور میں سے اسلام کو حذف کیا۔ اس سے قبل ہی وہ شریعت کے بجائے سوئس سول کوڈ کو نافذ اور عربی زبان و رسم الخط اور اسلامی لباس پر پابندیاں نافذ کر چکا تھا۔ 1937ء میں ترکی کو ایک سیکولر ریاست قرار دے دیا گیا۔ کمال کی ری پبلکن پیپلز پارٹی نے مظاہر اسلام کو ملک سے ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس نے دینی جماعتوں اور صوفی سلسلوں کو خلاف قانون

قرار دے دیا۔ شدید آمرانہ کارروائیوں کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ کمالی نظام ترکی میں دین کی جگہ نہیں لے سکا۔ نہ اجتماعی سطح پر اس کے پاس اچھے قوانین تھے اور نہ انفرادی سطح پر یہ اخلاقیات کی کوئی بنیاد فراہم کر سکا۔ اس نے نئی نسلوں کو اسلام سے بے گانہ تو کر دیا لیکن مثبت طور پر ملک و ملت کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ عوام الناس کے اندر احساس زیاں ابھرنے لگا۔

1950ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے خلاف نفرت کا اظہار ہوا اور ڈیموکریٹک پارٹی کی حکومت بنی جس نے لوگوں کی زندگیوں کے اندر مذہبی خلاء کو بھرنے کی تدبیریں کیں' دین کے اظہار پر پابندیوں کو ختم کیا' مساجد کی تعمیر میں مدد دی اور امام مسجدوں اور خطیبوں کی تعلیم و تربیت کے لیے امام خطیب سکول قائم کیے۔ صوفی سلسلوں نے بھی اپنا کام شروع کر دیا اور معاشرہ میں دین کا پھر سے نام لیا جانے لگا۔ ترکی کی فوج ابھی تک پرانے موقف پر قائم ہے۔ وہ خود کو کمالی پالیسیوں کا محافظ سمجھتی ہے اور سیاست کو مذہب سے جوڑنے کے خلاف ہے۔ لہٰذا جرنیلوں نے حکومتوں اور سیاسی پارٹیوں کو آزادانہ کام نہیں کرنے دیا۔

1969ء میں نیشنل آرڈر پارٹی وجود میں آئی۔ اس کے پروگرام میں مذہب کا احیاء اور مغربی کلچر کی مخالفت تھی۔ دستوری عدالت نے 1971ء میں اس پر پابندی عائد کر دی کہ یہ پارٹی سیاست میں مذہب کو دخیل کرنا چاہتی ہے۔ 1973ء میں الیکشن ہونے والے تھے۔ ان سے قبل 1972ء میں نیشنل سالویشن پارٹی وجود میں آئی۔ اس نے دیہی علاقوں سے اتنی نشستیں جیت لیں کہ اس کی شرکت کے بغیر کسی پارٹی کی حکومت قائم نہ ہو سکتی تھی۔ جسٹس پارٹی اور نیشنل ایکشن پارٹی کے ساتھ کولیشن میں اس پارٹی نے دینی تعلیم کو اتنا عام کر دیا کہ امام خطیب سکولوں کی تعداد تین گنا سے بھی زیادہ ہو گئی اور 78-1977 میں ان میں طلبہ کی تعداد 134517 تھی۔ اس دوران ملک میں دینی کتابوں کی اشاعت کے ادارے وجود میں آ گئے' کئی دینی جرائد منظر عام پر آ گئے' نوجوانوں کے چہروں پر داڑھیاں اور عورتوں کے سروں پر سکارف نظر آنے لگے۔ 1980ء میں فوج پھر حرکت میں آئی اور سالویشن پارٹی پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کے سربراہ نجم الدین اربکان کو جیل بھیج دیا گیا۔ فوج نے مصطفیٰ کمال کے نظریات کے تحفظ کے لیے "اتا ترک سپریم کونسل برائے ثقافت و زبان و تاریخ" تشکیل دی لیکن یہ ادارہ شائد عوام کی نظروں میں اپنا وقار قائم نہیں کر سکا۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد اربکان نے رفاہ پارٹی قائم کی۔ 1987ء کے الیکشن میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرکے اس پارٹی کے الیکشن میں حصہ لینے کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں۔ لیکن اس طرح کے ہتھکنڈوں سے عوام الناس کے دلوں سے ان کا مرکز محبت نہیں چھینا جا سکتا۔ مادام چیلر کے عہد حکومت میں رفاہ پارٹی نے عوام میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا اور مارچ 1995ء میں لوکل باڈی کے انتخابات میں رفاہ پارٹی نے ترکی کے 29 بڑے شہروں' حتیٰ کہ انقرہ اور استنبول میں بھی اس قدر کامیابی حاصل کی کہ ان میں رفاہ پارٹی کے میئر برسر اقتدار آ گئے۔ دسمبر 1995ء کے انتخابات میں عوام کا موڈ

کھل کر سامنے آیا ہے اور رفاہ پارٹی پارلیمنٹ کی سب سے بڑی پارٹی کے طور پر کامیاب ہوئی ہے۔ لیکن فوج بھی غافل نہیں۔ فوجی چیف نے الیکشن سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ وہ سیکولرزم کے تحفظ کے لیے دینی پارٹی کی راہ روکیں گے اور اسے اقتدار میں نہیں آنے دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹروپاتھ پارٹی اور مدرلینڈ پارٹی پر دباؤ ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم کریں تاکہ رفاہ پارٹی حکومت نہ بنا سکے۔ ان دنوں یہ پارٹیاں اسی لائن پر کام کر رہی ہیں۔ تامل اربکان کو حکومت بنانے کی دعوت نہیں دی گئی۔

ترکی کے اس تجربہ سے بعض امور واضح ہوتے ہیں:

اولاً۔۔ دین انسان کی فطرت کی ایک ایسی طلب ہے جس سے اغماض برتنا ممکن نہیں۔ اتاترک نے دینی اظہار پر ہر ناروا پابندی لگا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ترک قوم اب مغربی اقوام کے طور طریقے اختیار کر لے گی لیکن اس پالیسی نے ایک ایسا خلاء پیدا کر دیا جس کو بھرنے کے لیے قوم پہلا موقع ملتے ہی خود سرگرم عمل ہو گئی۔

ثانیاً۔۔ اسلام میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔ مغربی ممالک میں اسلام کے خلاف تعصب کے باعث لوگ اسی کی طرف آنے سے کتراتے ہیں اور طمانیت قلب کے لیے غیر فطری راستے اختیار کرتے ہیں۔ ترکوں کے پاس چونکہ دینی سرمایہ موجود تھا لہٰذا جونہی حالات موافق ہوئے انھوں نے پھر سے اس متاع گم گشتہ کو تلاش کر لیا۔

ثالثاً۔۔ مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور کارپردازوں پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ ان کے عوام مغربی ممالک کے درپردہ تسلط کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے معاملات ان کے اپنے دین کی روشنی میں طے کیے جائیں اور اس میں مسلم معاشرہ کے مفادات کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔

رابعاً۔۔ تعلیم کی راہ سے تبدیلی یقینی اثرات ڈالتی ہے۔ ترکوں میں دین کی طرف رجوع کی راہ امام خطیب سکولوں نے ہموار کی۔ حکومتیں ان کی تعداد میں برابر اضافہ کرتی رہیں اور عوام الناس نے بچوں کو ان میں تعلیم دلانے میں خاص طور پر دلچسپی لی۔ ماہرین شماریات نے اندازہ لگایا کہ 1985ء میں اتنا رجوع ہیلتھ سکولوں کی طرف نہیں تھا جتنا امام خطیب سکولوں کی طرف تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اسی قوم کے شامل حال ہوتی ہے جو اجتماعی طور پر اس کے دین کو اہمیت دیتی ہے۔

بظاہر اس وقت رفاہ پارٹی کا برسر اقتدار آنا مشکل ہے۔ فوج اور امریکہ کا فیصلہ یہی ہو گا کہ اہل دین کو حکومتی امور سے دور رکھا جائے۔ یہ وہی حرکت ہو گی جو الجزائر میں کی گئی۔ لیکن اس کے نتیجہ میں وقتی طور پر تو عوام کی خواہشات کو کچلا جا سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ برادر ترکوں کی امیدوں کو بر لائے اور ان کے تجربہ کو دوسرے مسلم ممالک کے لیے بھی مشعل راہ بنائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ بنی اسرائیل (۲)

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا۔ وہ بولا کہ میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا○ اس نے کہا ذرا دیکھ تو اس کو جس کو تو نے مجھ پر عزت بخشی ہے' اگر تو نے مجھے روز قیامت تک مہلت دے دی تو میں' ایک قدرے قلیل کے سوا' اس کی ساری ذریت کو چٹ کر جاؤں گا○ فرمایا' جا' جو ان میں سے تیرے پیرو بن جائیں گے تو جہنم تم سب کا پورا پورا بدلہ ہے (38)○ اور ان میں سے جن پر تیرا بس چلے ان کو اپنے غوغا سے گھبرا لے' ان پر اپنے سوار اور پیدل چڑھا لا' مال اور اولاد میں ان کا ساجھی بن جا اور ان سے وعدہ کر لے۔ اور شیطان ان سے محض دھوکے ہی کے وعدے کرتا ہے (۳۹)○ بے شک میرے اپنے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور تیرا رب کارسازی کے لئے کافی ہے۔○ ۶۵

تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو۔ بے شک وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے○ اور جب تمہیں سمندر میں مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم اعراض کر بیٹھتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے (۴۰)○ ۶۷

کیا تم اس بات سے نچنت ہو گئے کہ وہ خشکی کی جانب تمہارے سمیت زمین کو دھنسا دے یا تم پر باد تند بھیج دے' پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ○ یا تم اس سے نچنت ہو گئے کہ تم کو دوبارہ اسی میں لوٹائے پھر وہ تم پر باد تند کا جھونکا بھیج دے بس وہ تمہاری ناشکری کی پاداش میں تم کو غرق کر دے اور تم اس پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا اپنے لئے نہ پاؤ○ ۶۹

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور خشکی اور تری دونوں میں ان کو سواری عطا کی۔ اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی (۴۱)○ اس دن کو یاد رکھو جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے رہنما سمیت بلائیں گے۔ سو جن کو ان کا اعمال نامہ دہنے ہاتھ میں ملے گا وہ تو اپنے اعمال نامہ کو پڑھیں گے اور ذرا بھی ان کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی○ اور جو اس دنیا میں اندھا بنا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ تر ہو گا○ ۷۲

اور بے شک قریب تھا کہ وہ تم کو فتنوں میں ڈال کر اس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے تم پر وحی کی ہے تاکہ تم اس سے مختلف ہم پر افترا کر کے پیش کرو' اور تب وہ تم کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے (۴۲)

○ اور اگر ہم نے تم کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ جھک پڑو○ اگر ایسا ہوتا تو ہم تم کو زندگی اور موت دونوں کا دوگنا عذاب چکھاتے' پھر تم ہمارے مقابل میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے (۴۳) ○ ۷۵

اور بے شک یہ اس سرزمین سے تمہارے قدم اکھاڑ دینے کے درپے ہیں تاکہ یہ تم کو یہاں سے نکال چھوڑیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو تمہارے بعد یہ بھی ٹکنے نہ پائیں گے ○ ہم نے تم سے پہلے اپنے جو رسول بھیجے ان کے باب میں ہماری سنت کو یاد رکھو اور تم ہماری سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے(۴۴) ○ ۷۷

نماز کا اہتمام رکھو زوال آفتاب کے اوقات سے لے کر شب کے تاریک ہونے تک اور خاص کر فجر کی قرات کا۔ بے شک فجر کی قرات بڑی ہی حضوری کی چیز ہے○ اور شب میں بھی تہجد پڑھو' یہ تمہارے لیے مزید برآں ہے۔ توقع رکھو کہ تم کو تمہارا رب محمود اٹھانا اٹھائے (۴۵) ○ اور دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور مجھے نکال عزت کا نکالنا اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت نصیب کر (۴۶)○ اور اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا اور باطل نابود ہونے والی چیز ہے (۴۷)○ ۸۱

اور ہم قرآن میں سے جو اتارتے ہیں وہ شفا اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے' اور ظالموں کے لیے یہ چیز ان کے خسارے میں ہی اضافہ کررہی ہے○ اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا اور پہلو بدل لیتا ہے اور جب اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہوجاتا ہے○ کہہ دو کہ ہر ایک اپنی روش پر کام کرے گا تو تمہارا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح تر راستہ پر ہیں○ ۸۴

اور وہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے اور تمہیں تو بس تھوڑا ہی سا علم عطا ہوا ہے○ اور اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو سلب کرلیں جو ہم نے تم پر کی ہے' پھر تم اس کے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ پاسکو گے○ یہ تو بس تمہارے رب کا فضل ہے (۴۸) بے شک اس کا فضل تم پر بہت بڑا ہے ○ کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن اس بات پر اکٹھے ہوجائیں کہ اس جیسا قرآن لادیں تو وہ اس جیسا نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں○ ۸۸

اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں لیکن اکثر لوگ انکار ہی پر اڑے ہوئے ہیں (۴۹)○ اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہاری بات ماننے کے نہیں جب تک تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردو ○ یا تمہارے پاس کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہوجائے پھر تم اس کے بیچ بیچ میں نہریں نہ دوڑا دو○ یا تم ہم پر آسمان سے ٹکڑے نہ گرادو جیساکہ تم دعویٰ کرتے ہو یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے نہ لاکھڑا کرو○ یا تمہارے پاس سونے کا کوئی گھر

نہ ہوجائیں یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی ماننے کے نہیں جب تک تم وہاں سے ہم پر کوئی کتاب نہ اتارو جسے ہم پڑھیں۔۔۔ کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے' میں تو بس ایک بشر ہوں' اللہ کا رسول (۵۰) ○ ۹۳

اور ان لوگوں کو ایمان لانے سے' جب کہ ان کے پاس ہدایت آگئی' نہیں مانع ہوئی مگر یہ چیز کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا○ کہہ دو' اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر اتارتے (۵۱) ○ کہہ دو کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے کافی ہے' بے شک وہی اپنے بندوں کو خوب جاننے والا خوب دیکھنے والا ہے○ اور جس کو اللہ ہدایت دے گا وہی ہدایت پانے والا بنے گا اور جسے وہ گمراہ کردے گا تو تم ان کے لیے اس کے سوا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل' اندھے' گونگے اور بہرے اکٹھا کریں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب جب اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اس کو مزید بھڑکا دیا کریں گے (۵۲) ○ یہ ان کا بدلہ ہوگا اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کرکے اٹھائے جائیں گے○ کیا انہوں نے سوچا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ قادر ہے کہ ان کے مانند پھر پیدا کردے اور اس نے ان کے لیے ایک مدت مقرر کررکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن یہ ظالم انکار ہی پر اڑے رہے○ ۹۹

کہہ دو کہ اگر میرے رب کے فضل کے خزانوں کے مالک تم ہوتے تو اس وقت تم خرچ ہوجانے کے اندیشے سے ہاتھ روک لیتے اور انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (۵۳) ○ ۱۰۰

اور ہم نے موسیٰؑ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو جب کہ وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰؑ میں تو تم کو ایک سحرزدہ آدمی سمجھتا ہوں○ اس نے جواب دیا کہ تجھے خوب معلوم ہے کہ ان کو آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے اتارا ہے' آنکھیں کھول دینے کے لیے۔ اور میں تو تم کو' اے فرعون' ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں (۵۴)○ اس کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ ان کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کردیا○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم ملک میں رہو بسو' پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کرکے لائیں گے ○ ۱۰۴

اور ہم نے اس کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ اترا ہے اور ہم نے تم کو صرف ایک بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے (۵۵) ○ اور قرآن کو تو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے اس لیے اتارا کہ تم اس کو لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سناؤ اور ہم نے اس کو نہایت اہتمام سے اتارا ہے○ ان سے کہہ دو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' وہ لوگ جن کو اس کے پہلے سے علم ملا ہوا ہے جب یہ ان کو سنایا

جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں (۵۶) ○ اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ شدنی تھا ○ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرتے ہیں اور یہ ان کے خشوع میں اضافہ کرتا ہے ○ ۱۰۹

کہہ دو کہ اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے' جس نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں (۵۷) اور کہو کہ شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کو ذلت سے بچانے کے لیے کسی مددگار کی حاجت ہے (۵۹) اور اس کی بڑائی بیان کرو جیساکہ اس کا حق ہے ○ ■

۳۸۔ اس واقعہ سے مخالفین کے اعراض و انکار کے اصل سبب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا تو انہوں نے نعمت کو شکر کے بجائے کفر و استکبار کا سبب بنایا۔ انہوں نے ابلیس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی اور اپنے بارے میں اس کے گمان کو بالکل سچ کر دکھایا۔

۳۹۔ یعنی جا' لوگوں کو صراط مستقیم سے ہٹانے کی مہم میں اپنے نعرے اور ہنگامے' اپنے گانے بجانے' اپنی تقریروں اور اعلانات' اپنے اخبارات و رسائل ہر چیز سے فائدہ اٹھا لے۔ اپنے لشکر ضلالت کے سواروں اور پیادوں کو ان پر چڑھالا ۔ مال اور اولاد میں ساجھی بن جا اور سنہرے وعدوں کے سبز باغ بھی دکھالے جن میں مبتلا ہو کر وہ زندگی کی حقیقی ذمہ داریوں سے فارغ ہو بیٹھیں۔

۴۰۔ یہ تمثیل ہے اس بات کی کہ انسان کو ہر نعمت تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے لیکن اس کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ اپنے رب کا شکرگزار ہونے کے بجائے وہ اس کو اپنی سعی و تدبیر کا کرشمہ اور اپنے مزعومہ دیوی دیوتاؤں کا فضل و کرم سمجھنے لگتا ہے لیکن جب کسی گردش میں آجاتا ہے تو خدا خدا پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب خدا اس کو مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو خدا کو وہ پھر طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے حالانکہ خدا کے پاس یہ طاقت ہے کہ وہ اس کو پھر ایسی حالت میں ڈال دے جس سے کبھی رہائی نصیب نہ ہو۔

۴۱۔ یہ انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلائی ہے کہ ہم نے انسان کو جو عزت بخشی ہے' خشکی اور تری دونوں میں اس کے لیے سواری کا جو انتظام کیا ہے' اس کو جو پاکیزہ رزق دیا ہے اور اس کو اپنی بہت سی مخلوقات پر جو فضیلت دی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ان نعمتوں کا حق پہچانے اور رب کا شکرگزار اور فرمانبردار بندہ بنے۔

۴۲۔ یہ اشارہ ہے ان پیش کشوں کی طرف جو قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیں کہ اگر آپ اپنی دعوت میں چند ترامیم کرلیں تو آپ سے دوستی کا سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ چونکہ اپنی قوم کے ایمان کے انتہائی حریص تھے' اس صورت حال نے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تذبذب میں مبتلا کردیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نازک مرحلے میں اپنے پیغمبر کی دست گیری فرمائی۔

۴۳۔ یہاں بظاہر خطاب اگرچہ آنحضرتؐ سے ہے لیکن اس کے عتاب کا رخ سمجھوتے کی تجویزیں لانے والوں کی طرف ہے ۔ دوگنے عذاب کی دھمکی رسول کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے ہے ۔ جن کے مرتبے جتنے اونچے

ہوتے ہیں اسی اعتبار سے ان پر گرفت بھی سخت ہوتی ہے اگر وہ کوئی غلطی کرتے ہیں۔

۴۴۔ یہ اشارہ ہجرت کی طرف ہے جس پر مجبور کرنے کے لیے کفار نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ فرمایا کہ اگر کفار نے آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا تو پھر آپ کے بعد یہ بھی چین سے نہیں رہ سکیں گے اور رسولوں کے مکذبین کے بارے میں اللہ کی سنت حرکت میں آئے گی۔

۴۵۔ ہجرت سے پہلے کے مشکل مراحل میں حصول صبر و استقامت کے لیے دن اور رات کی نمازوں کے اہتمام کے علاوہ نماز فجر میں طول قراءت اور تہجد کی نماز کا خاص طور پر حکم دیا ۔ زوال آفتاب کے اوقات تین ہیں۔ ظہر' عصر اور مغرب۔ فرمایا کہ تم اپنے موقف حق پر ڈٹے رہے تو توقع رکھو کہ ایک عظیم امت کی زبانوں پر تمہارے لیے ترانہ حمد ہوگا اور عنداللہ تمہاری مساعی محمود و مشکور ہوں گی۔

۴۶۔ اس دعا میں قرب ہجرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ بشارت بھی کہ مکہ سے آپ کا نکلنا اور مدینہ میں داخل ہونا دونوں عزت و وقار اور رسوخ و استحکام کے ساتھ ہوگا۔

۴۷۔ ہجرت در حقیقت رسول اور اس کی ساتھیوں کے لیے فتح کا دیباچہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد دین حق کا بول بالا ہو کے رہتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی عملاً فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی۔

۴۸۔ آگے مخالفین کے بعض سوالوں کا جواب ہے جو وہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے خلاف بطور اعتراض کرتے تھے۔ روح سے مراد یہاں وحی الٰہی ہے۔ کفار اس کی حقیقت جاننے کے درپے ہوتے ۔ فرمایا کہ یہ چیز امور الٰہیہ میں سے ہے جس کی حقیقت کو ہر شخص نہیں پا سکتا۔ اس کو وہی سمجھتے ہیں جن کو اس کا تجربہ ہوا ہے اور وہ بھی نہ اس کو اپنے ارادے سے لا سکتے اور نہ اپنے ارادے سے روک سکتے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے اس فضل سے سرفراز کیا ہے ۔

۴۹۔ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب میں حکمت کی ایک ایک بات گوناگوں اسلوبوں اور پیرایوں سے ہم نے بیان کی ہے۔ اس طرح ہم نے ان پر حجت تمام کردی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی لوگوں کی اکثریت انکار پر اڑی رہ جاتی ہے تو یہ ان کی اپنی محرومی و بدبختی ہے۔

۵۰۔ ان سارے مطالبات کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ان سے کہہ دو کہ میرا رب ہر قسم کی شرکت سے پاک ہے۔ میں نے خدائی میں شرکت کا دعویٰ نہیں کیا کہ تم مجھ سے اس قسم کے مطالبات کرتے ہو' میں تو صرف ایک بشر اور خدا کا رسول ہوں۔ اس حیثیت سے میرا فریضہ صرف یہ ہے کہ میں تم کو خدا کا پیغام پہنچا دوں اور یہ فریضہ میں ادا کر رہا ہوں۔

۵۱۔ یعنی اگر ان کا خیال یہ ہے کہ کسی بشر کے بجائے کسی فرشتے کو ان کی طرف رسول ہو کر آنا تھا تو ان سے کہہ دو کہ جب زمین میں انسان رہتے بستے ہیں تو آخر انسانوں کی طرف کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے کے کیا معنی؟ رسول اس لیے آتا ہے کہ اس کی زندگی لوگوں کے لیے اسوہ اور نمونہ بنے۔ آخر کسی فرشتہ کی زندگی انسانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ کس طرح بن سکتی؟

۵۲۔ یعنی جو لوگ اپنی آنکھیں اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے لئے' اپنی زبانیں حق کی گواہی کے لیے اور اپنے کان اللہ اور رسول کی باتیں سننے کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کو خدا کی طرف سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ رہے وہ لوگ جو یہ سب کچھ رکھتے ہوئے اندھے' بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں وہ نہ صرف دنیامیں ہدایت سے محروم رہتے ہیں بلکہ قیامت میں ان کو اندھے بہرے اور گونگے بنا کر ان کو مونہوں کے بل گھسیٹ کر بھڑکتی آگ میں ڈالا جائے گا۔

۵۳۔ قریش کے مغرور لیڈروں کا دعویٰ تھا کہ جب دنیا کی تمام نعمتیں ہمیں ملی ہیں تو خدا نبوت و رسالت کے منصب کے لیے ہمیں کیوں نظر انداز کرےگا۔ فرمایا کہ ان سے کہو کہ اگر رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک تم ہوتے تب تو بلاشبہ اس کے تنہا اجارہ دار بن بیٹھتے لیکن اپنے فضل و رحمت کا مالک میرا رب خود ہی ہے۔ اس نے جن خزف ریزوں کا اہل تم کو پایا وہ تمہارے حوالے کیے اور جس فضل کے لیے میرا انتخاب فرمایا اس سے مجھ کو نوازا۔

۵۴۔ معجزات کا مطالبہ کرنے والے قریش کو یہاں بتایا کہ ایمان و ہدایت کی راہ معجزات سے نصیب نہیں ہوتی۔ اگر تمہاری طلب کے مطابق معجزے دکھا بھی دیے جائیں تو فرعون کی طرح تم بھی کوئی نہ کوئی بات بنالو گے۔

۵۵۔ مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں کسی باطل کی آمیزش کسی طرف سے نہیں ہوئی۔ تم ایسے بے آمیز حق کو بھی طرح طرح کے شبہات کا ہدف بنا رہے ہو تو اس کے ذمہ دار تم خود ہو اور اس کا انجام بھگتو گے۔

۵۶۔ مراد اہل کتاب کے صالحین کا وہ گروہ ہے جو اپنے نبیوں اور صحیفوں کی پیشین گوئیوں کی روشنی میں ایک رسول اور ایک کتاب موعود کا منتظر تھا۔ ان کے علم میں جب یہ بات آتی کہ نبی آخرالزمان کی بعثت ہوچکی ہے اور وہ قرآن میں سابقہ پیشین گوئیوں کی جھلک دیکھتے تو ایفائے وعدہ پر سر بسجود ہوجاتے۔

۵۷۔ زمانہ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ اور رحمان دونوں نام استعمال ہوتے تھے۔ البتہ اسم رحمان اہل کتاب کے ہاں زیادہ معروف تھا۔ قریش کے زعیموں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تعصب بھڑکانے کے لیے ہمیں سے یہ نکتہ پیدا کرلیا کہ یہ شخص ہمارے مذہب اور ہماری روایات پر اہل کتاب کے مذہب کو مسلط کر رہا ہے۔ فرمایا کہ مجرد نام کا تعصب قبول حق میں مانع نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کو ہر اچھے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔

۵۸۔ مشرکین کے طریقہ عبادت میں شوروغل' سیٹی اور تالی وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی جبکہ اہل کتاب خاموشی سے عبادت کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نماز کی ہیئت پر بھی اعتراض کیا گیا جس پر حکم ہوا کہ تمہاری نمازیں اور دعائیں بہت زیادہ جہری ہوں نہ بالکل ہی سری' بلکہ ان کے بین بین کی راہ اختیار کرو۔ تمہاری نمازوں اور دعاؤں میں بھی امت وسط کی شان نمایاں ہونی چاہیے۔

۵۹۔ یعنی وہ اتنا مقتدر ہے کہ اس کو ذلت لاحق ہی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس کو مددگاروں کی بھی ضرورت نہیں۔

امین احسن اصلاحی

وضو کے مسائل

(صحیح بخاری کی کتاب الوضو کی روایات)

باب 96 - ماجاء فی الوضوء وقول الله تعالی اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم و ایدیکم الی المرافق و امسحوا بروؤسکم وارجلکم الی الکعبین- قال ابو عبدالله وبین النبیؐ لن فرض الوضوء مره مره و توضا ایضا مرتین و ثلا ثا ولم یزد علی ثلاث وکره اهل علم الاسراف فیه و لن یجاوزوا فعل النبیؐ-

ترجمہ: وضو کے ضمن میں جو کچھ بیان ہوا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں باب کہ "جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوو"۔ ابوعبداللہ کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے واضح فرمادیا کہ وضو میں ایک ایک بار اعضاء کا دھونا فرض ہے۔ آپؐ نے وضو میں دوبار بھی دھویا ہے اور تین بار بھی' لیکن تین بار سے زیادہ نہیں دھویا۔ اہل علم نے اس میں اسراف کو اور آنحضرتؐ کے عمل سے آگے بڑھ جانے کو برا جانا ہے۔

وضاحت: وضو کے معنی پاکیزگی حاصل کرنے کے ہیں۔ کتاب الوضو میں امام صاحب وضو کے آداب' طریقے اور اس کے متعلق مسائل بیان کریں گے اور بتائیں گے کہ نماز کے لئے پاکیزگی کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

ابو عبداللہ امام بخاریؒ کی کنیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وضو میں اعضائے وضو کو ایک بار دھونا فرض ہے۔ آنحضرتؐ نے دو مرتبہ دھویا ہے اور تین مرتبہ بھی لیکن تین سے زیادہ مرتبہ نہیں دھویا۔ یہی امام بخاریؒ کا مذہب ہے۔

امام صاحب کا قول ہے کہ اہل علم نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ وضو میں اسراف کیا جائے۔

اہل علم سے مراد ائمہ فقہا اور علمائے مدینہ ہیں۔

اسراف کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ مسلسل پانی بہائے جا رہے ہیں' دوسری یہ کہ اعضاء کو بار بار دھوئے جا رہے ہیں اور وضو ہے کہ ہونے میں نہیں آتا۔

قرآن مجید کی آیت جو باب کے عنوان میں نقل کی گئی وہ اس قراءت کے مطابق نقل کی گئی ہے جس کو ہم صحیح نہیں مانتے۔ یہ شیعہ حضرات کی قراءت ہے۔ یہاں ارجلکم کو ل کے زیر کے ساتھ نقل

کیا گیا ہے جبکہ قراءت حفص میں جو کہ متواتر قراءت ہے ارجلکم کے ل پر زبر ہے۔ "قام" کے بعد جب "الیٰ" آتا ہے تو اس کے معنی قصد کرنے کے ہوتے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اس کے لئے طہارت حاصل کر لو۔ ایک مرتبہ کی حاصل کردہ طہارت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کوئی ناقض حالت پیش نہ آ جائے۔ اس وجہ سے یہ ہدایت اس حالت کے لئے ہے جب آدمی کا وضو باقی نہ ہو' اگر باقی ہو تو تازہ وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے طہارت کا طریقہ بتایا ہے۔ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔ رہا یہ سوال کہ دھونے کا طریقہ کیا ہے۔ مذکورہ اعضاء ایک ایک بار دھوئے جائیں یا دو دو تین تین بار تو اس کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ آداب سے ہے اور آداب سیکھنے کا بہترین ذریعہ نبی کریمؐ کی سنت ہے۔ آنحضرتؐ نے زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ تک دھویا ہے۔

اہل علم نے دھونے میں اسراف کو جو مکروہ جانا ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ نبیؐ کے طریقہ سے تجاوز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بہترین نمونہ حضورؐ کا نمونہ ہے۔

وامسحوا برووسکم میں مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں۔ مسح کے ساتھ ب کے صلہ کی مناسبت نہیں ہے اور عربیت کے قاعدہ سے ضروری ہے کہ یہاں تضمین مانی جائے یعنی مسح کا لفظ یہاں احاطہ کے مضمون پر مشتمل ہے جس کے ساتھ ب کا صلہ موزوں ہے۔ اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کے قائل ہیں اگرچہ عمامہ وغیرہ کی صورت میں رفع زحمت کے پہلو سے سر کے جزوی حصہ کا مسح بھی کافی ہے۔

وارجلکم الی الکعبین میں ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے۔ اس وجہ سے یہ ان اعضاء کے تحت داخل ہے جن کے لئے دھونے کا حکم ہے۔ وضو میں اعضاء کی ترتیب واضح کرنے کے لئے آیت میں اس کو موخر کر دیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ترتیب فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔ جن لوگوں نے اس کو مسح کے تحت داخل کیا ہے ان کا قول متواتر قراءت اور متواتر سنت کے بھی خلاف ہے اور عربیت کے بھی۔ اگر پاؤں کا مسح ہوتا تو اس کے ساتھ الی الکعبین کی قید بالکل غیر ضروری تھی۔ یہاں یہ لفظ بالکل اسی طرح آیا ہے جیسے اوپر ہاتھوں کے ساتھ الی المرافق کی قید ہے۔

اس باب کے تحت کوئی حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔ امام صاحب نے قرآن مجید کی آیت کا حوالہ دیا ہے' پھر ایک فتویٰ بھی نقل کیا ہے لیکن کوئی روایت بلکہ کوئی تعلیق تک نہیں لائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام صاحب کے جو شرائط ہیں ان کے مطابق ان کو کوئی روایت نہیں ملی تب تو اس باب کی بنیاد ہی گر جائے گی۔ اگر کوئی روایت معیار پر پوری نہیں اتری تو باب ہی نہیں قائم کرنا چاہئے تھا اور اگر باب قائم کیا ہے تو روایت لانی چاہئے تھی۔ میرا خیال ہے کہ ایسی روایتیں موجود ہیں جو امام صاحب کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور وہ اگر ان کو نہیں لا سکے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا کام ادھورا رہا۔ امام صاحب کو اپنی کتاب پر نظر ثانی کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس کے بغیر ہی کتاب کی روایت

شروع ہو گئی۔

باب 97- لا یقبل صلوۃ بغیر طھور
وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی

135- حد ثنا اسحق بن ابراھیم الحنظلی قال اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن ھمام بن منبه انه سمع ابا ھریرہ یقول قال رسول ﷺ لا تقبل صلوہ من احدث حتی یتوضا قال رجل من حضر موت ماالحدث یا ابا ھریرہ قال فساء او ضراط۔

ترجمہ: ہمام بن منبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابوھریرہؓ سے سنا کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ جس شخص کی حدیث ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وضو نہ کر لے۔ حضرموت کے رہنے والے ایک شخص نے ابوھریرہ سے پوچھا کہ حدث کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ فساء یا ضراط۔

وضاحت: وضو نماز کے لئے شرط ہے اور حدث ناقض وضو ہے۔ ایک صاحب جو حضرموت کے رہنے والے تھے انہیں روایت سننے کے بعد حدث کا لفظ سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے ابوھریرہؓ سے وضاحت چاہی۔ حضرت ابوھریرہ نے ان کو بتایا کہ حدث سے مراد ہے فساء یعنی ریح کا بغیر آواز کے خارج ہونا یا ضراط یعنی ریح کا آواز کے ساتھ خارج ہونا۔

باب 98- فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء
باب وضو کی فضیلت کا اور ان لوگوں کا جن کے پانچوں اعضاء وضو کے آثار سے روشن ہونگے

136- حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا لیث عن خالد عن سعید ابن ابی ھلال عن نعیم المجمر قال رقیت مع ابی ھریرہ علی ظھر المسجد فتوضا فقال انی سمعت النبیؐ یقول ان امتی یدعون یوم القیامه غرا محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل۔

ترجمہ: نعیم المجمر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوھریرہ کے ساتھ مسجد نبوی کی چھت پر چڑھا۔ انہوں نے وضو کیا اور کہا کہ میں نے نبیؐ کو فرماتے سنا ہے۔ آپ نے کہا کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن اس حال میں بلائے جائیں گے کہ وہ وضو کے آثار سے غرا محجلین ہوں گے۔ پس تم میں سے جو شخص اپنی اس روشنی کو طویل تر کر سکتا ہے تو کرلے۔

وضاحت: غرا محجلین یعنی ایسے لوگ جن کی پیشانی' دونوں ہاتھ اور پاؤں نورانی ہوں گے۔ غر لفظ اغر کی جمع ہے۔ اغر اس گھوڑے کی صفت کے طور پر آتا ہے جس کی پیشانی سفید ہو۔ محجل اس گھوڑے کی صفت ہے جس کے تین پاؤں میں سفیدی ہو۔ دلی اور اس کے مضافات میں ان گھوڑوں کے لئے جن کے سر اور چاروں پاؤں سفید ہوتے ہیں پنج کلیان کا لفظ مستعمل تھا۔ یہ کچھ اسی طرح کی بات ہے۔

اس روایت میں یہ بات تو صاف واضح ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کے لوگ اٹھیں گے تو وضو کے آثار کی وجہ سے ان کی پیشانی اور دونوں ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے' لیکن یہ ٹکڑا کہ' فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل (تم میں سے جو شخص اپنی اس روشنی کو طویل کر سکتا ہے تو کرلے) کس کا ہے؟ کیا یہ حدیث کا حصہ ہے یا حضرت ابوھریرہ کی رائے ہے۔ اگر یہ حدیث کا ٹکڑا ہے تو بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پھر تو ہر ایک کو چاہئے کہ اوپر تک ہاتھ اور پاؤں دھوئے تب اطالہ ہو گا۔ لیکن کسی راوی نے یہ بات بیان نہیں کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اطالہ کیا ہو۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ نے جو دن رات حضور کی خدمت پر مامور تھے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سفر یا حضر میں کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ حضورؐ نے اوپر تک ہاتھ پاؤں دھوئے ہوں۔

اگر اس ٹکڑے کو حضرت ابوھریرہؓ کا قول مانیں تو ایک دوسری روایت اس کے خلاف پڑتی ہے جس میں یہ جملہ آتا ہے کہ ابوھریرہؓ نے اس طرح دھونے کے بعد کہا کہ ھکذا رایت رسول الله یفعل (میں نے رسول اللہؐ کو اس طرح کرتے دیکھا) سند کا جو معیار محدثین کے ہاں ہے اس پر یہ روایت بھی پوری اترتی ہے۔

محدثین کا اصول ہے کہ جس بات کے حق میں معروف روایتیں موجود ہوں اس کے خلاف روایت نہیں لی جاتی۔ وضو کی کسی معروف روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضورؐ نے اطالہ کیا ہو۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ ٹکڑا حدیث کا حصہ نہیں بلکہ حضرت ابوھریرہؓ کی رائے مضمون میں شامل کر دی گئی ہے۔

اس روایت کے باب کے عنوان میں ایک مشکل اس کی تعلیق اور ترکیب سے متعلق بھی ہے جو ایک طالب علم کو سمجھ لینی چاہئے۔ وہ یہ کہ باب فضل الوضوء کے بعد کے ٹکڑے کو اس پر عطف مانے تو والغرالمحجلین من آثار الوضو ہونا چاہئے' لیکن یہاں ہے الغر المحجلون۔ اگر یہ عطف نہیں بلکہ مستقل جملہ ہے تو یہ مبتدا ہوا۔ اس کی خبر محذوف مانی جائے گی۔ میرے نزدیک عنوان باب امام صاحب کا ایک نامکمل نوٹ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں وضو کی فضیلت اور المحجلون کی عظمت کا ذکر ہے۔

باب 99- لا یتوضاء من شک حتی یستیقن

باب اس بات کا کہ شک کی بنیاد پر وضو نہیں ٹوٹتا جب تک یقین نہ ہو۔

137- حدثنا علی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزھری عن سعید بن

المسیب عن عباد بن تمیم عن عمه انه شکا الی رسولؐ الله الرجل الذی یخیل الیه انه یجد الشیء فی الصلاه فقال لا ینفتل اولا ینصرف حتی یسمع صوتا" اویجد ریحا"

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے ذکر کیا ایک ایسے شخص کا جس کو نماز میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدث ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ کر نہ پھرے یا مڑے جب تک کہ حدث کی آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے۔

وضاحت: شکا کا مطلب شکایت کرنا نہیں بلکہ ان کے مرض کا ذکر کرنا ہے۔ یہ اس زمانے کی عربی کا اچھا اسلوب ہے۔

نبی کریمؐ سے ایک ایسے شخص کے عارضہ کا ذکر کیا گیا جن کے خیال میں یہ بات آجاتی تھی کہ وہ نماز کے اندر کچھ حدث کی سی کیفیت محسوس کرتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہاں وسوسہ مراد نہیں بلکہ کوئی ایسی حالت مراد ہے جس سے حدث کا شبہ ہوتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ کر الگ نہ ہو اور نہ رخ موڑے جب تک کہ وہ کوئی آواز نہ سنے یا کوئی بو نہ محسوس کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شبہ کی بنیاد پر نماز نہیں توڑنی چاہئے جب تک کہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ کوئی ناقض وضو حالت پیش آئی ہے۔ عمر کے تقاضے کے ساتھ اس طرح کی باتیں ہو جاتی ہیں لیکن نماز کے معاملہ میں اوہام کو بنیاد بنا کر نماز نہیں توڑنی چاہئے۔

اس روایت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کی کتنی عظیم ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالٰی کے عطا کردہ علم کے تحت ہمارے ہر سوال اور مشکل کا ایسا حل مرحمت فرماتے ہیں جو ہماری عقل اور فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔

باب 100- التخفیف فی الوضوء

باب ہلکا وضو کرنے کے بیان میں

138 - حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا سفیان عن عمرو قال اخبرنی کریب عن ابن عباس ان النبیؐ نام حتی نفخ ثم صلی و ربما قال اضطجع حتی نفخ ثم قام فصلی ثم حدثنا به سفیان مره بعد مره عن عمرو عن کریب عن ابن عباس بت عند خالتی میمونه لیله فقام النبیؐ من اللیل فاما کان فی بعض اللیل قام النبیؐ فتوضاء من شن معلق وضواء خفیفا یخففه عمرو و یقلله وقام یصلی فتوضات نحوا مما توضاء ثم جئت

فقمت عن يساره و ربما قال سفيان عن شماله فحولني فجعلني عن يمينه ثم صلى ماشاءالله ثم اضطجع فنام حتى نفخ ثم اتاه المنادى فاذنه بالصلاه فقام معه الى الصلاه فصلى و لم يتوضاء قلنا لعمرو ان ناسا يقولون ان رسولؐ الله تنام عينه ولا ينام قلبه قال عمرو سمعت عبيد بن عمير يقول رويا الانبياء وحی' ثم قرا انی اری فی المنام انی اذبحک۔

ترجمہ: عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے' پھر آپ نے نماز پڑھی۔ انہوں نے کبھی یوں کہا کہ آنحضرتؐ کروٹ پر لیٹے رہے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر سفیان نے یہی روایت بار بار یوں بیان کی کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ ایک رات اپنی خالہ میمونہؓ کے پاس رہے تو آنحضرتؐ نے رات کو قیام کیا۔ جب تھوڑی رات گذر گئی تو آپ اٹھے' پھر آپ نے ایک لٹکتی پانی کی مشک سے ہلکا وضو کیا۔ (عمرو بن دینار اس کا ہلکا پن اور تھوڑا پن دکھایا کرتے تھے) اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ میں نے آپ جیسا وضو کیا' پھر آ کر آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ (کبھی سفیان نے یسارہ کہا اور کبھی شمالہ کہا۔ دونوں کے معنی کوئی فرق نہیں)۔ آپؐ نے مجھ کو پھرا کر اپنی دائیں طرف کر لیا۔ پھر اتنی نماز آپؐ نے پڑھی جتنی اللہ کو منظور تھی۔ اس کے بعد کروٹ پر سو رہے حتی کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر موذن آیا اور آپ کو نماز کے لئے اٹھایا۔ آپؐ اس کے ساتھ نماز کے لئے چلے۔ پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ سفیان نے کہا ہم نے عمرو سے کہا کہ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ عمرو نے کہا میں نے عبید بن عمیر سے سنا وہ کہتے تھے پیغمبروں کا خواب وحی ہوتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی انی اری فی المنام انی اذبحک (میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں)۔

وضاحت: عبداللہ ابن عباس کی یہ روایت اس سے پہلے باب السمر بالعلم میں گذر چکی ہے۔ اس روایت اور موجودہ روایت پر غور کرنے سے راوی حضرات اور طریقہ روایت کے بارے میں کچھ باتیں واضح ہوتی ہیں۔

وہاں روایت مختصر ہے لیکن یہاں تفصیل ہے' معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پوری روایت نقل ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راوی حضرات مختلف اوقات میں روایت میں کمی بیشی' تقلیل اور تخفیف کر دیتے ہیں۔

روایت میں بیچ کے راوی سفیان ہیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی شکلوں میں روایت بیان کی ہے حالانکہ اصل راوی ایک ہی ہیں یعنی ابن عباسؓ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیچ کے راوی اپنی پسند کے مطابق ضرورت کو دیکھ کر جس موقع پر جتنا ٹکڑا بیان کرنا چاہتے ہیں کر دیتے ہیں اور دوسرے موقع پر اس کو حذف کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عامیانہ خیال غلط ہے کہ راوی اتنا بیان کرتا ہے جتنا اس نے دیکھا ہے۔ اس کے برعکس تکمیل' تقلیل' اطناب اور ایجاز ہوتا رہتا ہے اور جب تک تمام

طریقوں کو جمع کر کے غور نہ کیا جائے معلوم نہیں ہوتا کہ کونسا اہم نکتہ بیان ہونے سے رہ گیا ہے۔

اس روایت میں جو دو الفاظ 'نام' اور 'اضطجع' استعمال ہوئے ہیں ان میں 'نام' کے معنی تو ہیں کہ آپ سو گئے اور 'اضطجع' کے معنی ہیں آپ پہلو کے بل لیٹ گئے۔ لیکن دونوں حالتوں میں بیان ہے کہ نفخ یعنی ناک سے خرخراہٹ کی آواز سنائی دی تو گویا نیند طاری ہوئی کیونکہ نفخ نیند کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

آنحضرتؐ نے باوجود اس کے کہ آپ پر کم از کم جھپکی طاری ہو گئی اور یہ کیفیت لیٹنے کی حالت میں پیش آئی' آپ نے دوبارہ وضو نہیں کیا تو اس سے یہ فقہی مذہب نکلتا ہے کہ لیٹنے کے باوجود نیند اس حد تک ناقض وضو نہیں ہے۔ لوگوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس معاملہ کو آنحضرتؐ کے ساتھ خاص کر دیا اور یہ کہا کہ آپ پیغمبر تھے اور پیغمبر کی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا' حالانکہ اس واقعہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اتنی ہے کہ اس قسم کی جھپکی یا وقتی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔ ہاں ٹانگ پسار کے آپ سو جائیں تو یہ بات ضرور ناقض وضو ہو گی اس لئے کہ اس میں آپ اتنے الرٹ نہیں ہوتے کہ اندازہ کر سکیں کہ کوئی ناقض وضو حالت پیش آئی یا نہیں۔

میرے نزدیک یہ معاملہ آنحضرتؐ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نیند کی نوعیت کے ساتھ خاص ہے۔ نماز میں اگر کچھ وقت ہو اور اس کے انتظار میں آدمی بیٹھے بیٹھے یا ذرا لیٹ کر وقت گذار رہا ہو اور اس دوران میں اس کو جھپکی آ جائے تو یہ چیز ناقض وضو نہیں۔ یہ بالکل اس طرح کی بات ہے جیسے سپاہی محاذ پر آنکھ جھپکا لیتا ہے لیکن ڈیوٹی سے غافل نہیں ہوتا۔

نیند ناقض وضو نہیں بلکہ مظنہ ہے اس بات کا کہ اس میں ناقض وضو حالت پیش آ جائے۔ اگر نیند ناقض وضو ہو تب تو اگر جھپکی بھی آ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

یہ روایت نہایت اہم ہے لیکن امام صاحب کے باب قائم کرنے میں محرک صرف یہ ہے کہ حضورؐ اٹھے اور آپؐ نے ہلکا وضو کیا' حالانکہ یہ بات بتانے کی بھی نہیں تھی۔ کیونکہ پچھلی روایت جو گذری ہے اس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضورؐ نے ایک بار بھی اعضاء کو دھویا ہے اور زیادہ سے زیادہ تین بار بھی۔ حدیث کی اہمیت کے لحاظ سے باب کا عنوان کچھ ہلکا سا ہے۔

باب 101' اسباغ الوضوء وقد قال ابن عمر اسباغ الوضوء الانقاء

باب وضوء پورا کرنے کے بیان میں اور ابن عمر نے کہا وضوء کا پورا کرنا (اعضاء کا) اچھی طرح صاف کرنا ہے

139- حدثنا عبد الله بن مسلمه عن مالک عن موسٰی بن عقبه عن کریب مولی ابن عباس عن اسامه بن زید انه سمعه یقول دفع رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم من عرفه حتی اذا کان بالشعب نزل فبال ثم توضاء ولم

یسبغ الوضوء فقلت الصلوة یا رسول اللهؐ قال الصلوة امامک فرکب فلما جاء المزدلفه نزل فتوضاء فاسبغ الوضوء ثم اقیمت الصلوة فصلی المغرب ثم اناخ کل انسان بعیرہ' فی منزله ثم اقیمت العشاء فصلی ولم یصل بینهما۔

ترجمہ :- اسامہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ رسولؐ اللہ عرفات سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ وادی شعب میں پہنچے۔ وہاں آپ نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا لیکن پورے اہتمام کے ساتھ نہیں کیا۔ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ کیا نماز پڑھنی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز آگے ہو گی۔ پھر آپؐ سوار ہو گئے۔ جب مزدلفہ پہنچے تو آپؐ اترے۔ پھر آپ نے خوب اچھی طرح وضو کیا۔ پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے اپنے اونٹ اپنی منزلوں میں ٹھہرائے۔ پھر عشاء کے لیے اقامت ہوئی تو آپؐ نے نماز پڑھی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔

وضاحت :- دفع - عربی کا خاص محاورہ ہے۔ مطلب یہ کہ روانہ ہوئے' وہاں سے چلے۔
اسباغ - عربیت کے لحاظ سے اسکا صحیح مطلب یہ ہو گا کہ جنگ کی حالت میں اعضاء کو مختلف خطرات سے بچانے والی اور تلوار یا نیزہ سے اعضاء کو جو زخم لگنے کا ڈر ہوتا ہے ان سے پوری طرح ڈھانکنے والی زرہ پہننا۔ یہاں اسباغ وضو کا صحیح مفہوم یہ ہو گا کہ ایسا وضو جو اعضاء کو پوری طرح سے Cover کر لے۔ جن اعضاء کا وضوء ہوتا ہے وہ پوری طرح دھو لئے جائیں' کوئی کسر نہ رہ جائے۔
آنحضرتؐ جب مزدلفہ پہنچے تو آپؐ نے اچھی طرح وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔ وقفہ اتنا تھا کہ لوگوں نے اپنے اپنے اونٹوں کو انکے ٹھکانوں پر بٹھا دیا۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان آپؐ نے کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ عشاء سے پہلے کوئی سنت بھی نہیں پڑھی اسلئے کہ کسی اور نماز کا سوال ہی نہیں تھا۔

باب 102- غسل الوجه بالیدین من غرفه واحدة

ایک ہاتھ سے پانی کا چلو لے کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھونا

140 - حدثنا محمد بن عبد الرحیم قال انا ابو سلمه الخزاعی منصور بن سلمه قال انا ابن بلال یعنی سلیمان عن زید ابن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس انه توضا فغسل وجهه اخذ غرفه من ماء فتمضمض بها و استنشق ثم اخذ غرفه من ماء فجعل بها هکذا اضافها الی یده الاخری فغسل بها وجهه ثم اخذ غرفه من ماء فغسل بها یده الیمنیٰ۔ ثم اخذ غرفه من ماء فغسل بها یده الیسرٰی ثم اخذ غرفه من ماء فرش علی رجله

الیمنیٰ حتی غسلها ثم اخذ غرفه اخریٰ فغسل بها یعنی رجله الیسریٰ ثم قال هکذا رایت رسولؐ الله یتوضا

ترجمہ :- ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنا منہ دھویا اسطرح کہ ایک چلو پانی لیا' اس سے کلی کی اور ناک میں ڈالا' پھر ایک اور چلو پانی لیا اور اس طرح کیا کہ ہاتھ کو جھکا کر دوسرے ہاتھ پر کچھ پانی ڈال لیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لیا۔ اس سے اپنا دایاں ہاتھ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اپنا بایاں ہاتھ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر داہنے پاؤں پر چھڑکا اور اس کو دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اور اس سے بائیں پاؤں کو دھویا۔ پھر کہا میں نے آنحضرتؐ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔

وضاحت : وضو کرنے میں کئی صورتیں پیش آ سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی لگن یا لوٹے میں سے پانی لے کر وضو کر رہے ہوں' دوسری یہ کہ کسی حوض یا ندی کے کنارے بیٹھے وضو کر رہے ہوں اور تیسری یہ کہ نل کے نیچے بیٹھے وضو کر رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہر صورت میں وضو کی شکل مختلف ہو جائے گی۔ لگن یا لوٹے سے پانی لینا ہو تو احتیاط سے لیں گے اور اگر نل سے پانی آ رہا ہو تو وہ دھڑا دھڑ بہتا ہے۔

اس روایت میں مشکل یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اسی طریقہ سے وضو کیا کرتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سنت متواتر کی شکل میں بیان کر رہے ہیں۔ لیکن یہ حالات کے تحت ہے۔ حضورؐ نے کبھی اس طریقہ سے وضو کیا ہو گا۔ ابن عباسؓ ہی سے یہ روایت گذر چکی ہے کہ تہجد کے وقت حضور نے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو فرمایا۔ مشکیزہ سے پانی لینا آسان نہیں ہوتا کیونکہ ایک ہاتھ سے پانی لیں گے اور وضو کریں گے۔ لگن یا تھال کے مقابلہ میں مشکیزہ میں پانی بھی وافر ہوتا ہے۔ تو یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ وضو کے معاملہ میں سنت متواتر یہی ہے بلکہ وضو کے جملہ ارکان ملحوظ رکھ کر جب آپ وضو کریں گے تو وضو نبی کریمؐ کی سنت کے مطابق ہو گا۔

ترتیب: سید اسحاق علی

امین احسن اصلاحی

دیت کے احکام

(موطاامام مالک کی کتاب العقول کی روایات)

عقول کے معنی باندھنے کے ہیں۔ یہ لفظ دیت کے لیے معروف ہے جو جان کے بدلے جان دینے کی بجائے مال کی صورت میں مقتول کے ورثا کو دی جاتی ہے۔ عقال اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی کو کہتے ہیں۔ دیت کے لئے لفظ عقول کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ جس پر دیت واجب ہوتی تھی وہ مقررہ تعداد میں اونٹ یا بکریاں لے جا کر مقتول کے صحن میں باندھ دیتا تھا۔ چنانچہ دیت کو عقول سے تعبیر کرنے لگے۔

حدثنی یحٰی عن مالک عن عبد الله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه ان فی الکتاب الذی کتبه رسول الله صلی الله علیه وسلم لعمر و بن حزم فی العقول ان فی النفس مائه من الابل' و فی الانف اذا اوعی جدعا مائه من الابل' و فی الما مونه ثلث الدیه' و فی الجائفه مثلها' و فی العین خمسون' وفی الید خمسون' و فی الرجل خمسون' وفی کل اصبع مما ھنالک عشر من الابل' وفی السن خمس و فی الموضحه خمس۔

ترجمہ :- ابی بکر بن محمد اپنے باپ عمرو بن حزم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط عمرو بن حزم کو دیت کے بارے میں لکھا تھا اس میں جان کی دیت سو اونٹ' ناک کی اگر پوری کاٹ دی گئی ہو سو اونٹ' ایسی چوٹ کی جو دماغ تک پہنچتی ہو ایک ثلث دیت اور جو پیٹ کے اندر تک کی چوٹ ہو اس کی ایک ثلث' ایک آنکھ کی پچاس اونٹ' ایک ہاتھ کی پچاس' ایک پاؤں کی پچاس اور ہر ایک انگلی کی دس اونٹ' دانت کی پانچ اونٹ اور ایسے زخم کی جس سے ہڈی ننگی ہو جائے پانچ اونٹ تھی۔

وضاحت :- دیت کے بارے میں یہ خط بنیادی دستاویز ہے کیونکہ اسے نبی ﷺ نے خود لکھوایا۔ یہ صرف دیت کے متعلق ہی ہے۔ اس خط کے ضمن میں بہت بحثیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری روایات میں اس میں کچھ اضافے ہیں اور تیسری جگہ مزید اضافے ہیں۔ اس وجہ سے یہ متعین کرنا خاصا مشکل ہو گیا ہے کہ خط کا کتنا حصہ اصل کی حیثیت سے قابل اعتماد ہے؟ اور کتنا حصہ ایسا ہے جو اس

میں اضافہ ہے؟ اس میں تحقیق کی ضرورت ہے۔ بہرحال اصل حیثیت تو اس خط ہی کی ہے باقی فقہا کے اجتہادات ہیں۔

اس روایت میں تین اصطلاحات نقل ہوئی ہیں۔ "مامومہ"۔ اس چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے مثلاً" وہ ہڈی ٹوٹ جائے جو دماغ کو محفوظ کرتی ہے۔ 'جائفہ' وہ چوٹ جو پیٹ کے اندر تک چلی جائے اور "موضحہ" ایسی چوٹ جو گوشت کو ادھیڑ دے اور ہڈی نظر آنے لگے۔

دیت کے جو احکام اس زمانے میں دئے گئے وہ اونٹوں کی تعداد کے حساب سے دیے گئے۔ اب اونٹوں اور بکریوں کا زمانہ نہیں ہے لہٰذا اب تقویم ہو گی یعنی سکہ رائج الوقت کے مطابق قیمت ٹھہرائی جائے گی۔ یہ مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔

اس سے بھی زیادہ پیچیدہ یہ چیز ہے کہ ایک شخص نے زخم لگایا ہے' آنکھ پھوڑ دی ہے' چہرہ بگاڑ دیا ہے' سر کچل دیا ہے' دماغ ماؤف کر دیا ہے' ٹانگ توڑ دی ہے تو اس میں صحیح عدل کا تقاضا کیا ہو گا؟ دیت ہو گی یا بعینہٖ وہی کچھ کرنے کا ہے جو اس کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر وہی کچھ کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس سے بھی عدل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اگر ضرب زیادہ لگ گئی تو کون ذمہ دار ہو گا اور کس شکل میں نقصان پورا ہو گا۔ میرے نزدیک دیت کا معاملہ خاصا پیچیدہ ہے اور موجودہ قانون میں شامل کرنے کے لیے اس پر کافی تحقیق اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

باب العمل فی الدیه
دیت پر عمل کس طریقہ سے ہو گا۔

حدثنی مالک انه بلغه ان عمر بن الخطاب قوم الدیه علی اهل القری فجعلها علی اهل الذهب الف دینار' وعلی اهل الورق اثنی عشر الف درهم قال مالک' فاهل الذهب اهل الشام و اهل مصر' واهل الورق اهل العراق۔

ترجمہ :- امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے شہریوں کے لیے دیت کی تقویم کرائی۔ پھر آپ نے یوں مقرر کیا کہ سونے کا سکہ جن کے ہاں رائج ہے ان کے لیے ایک ہزار دینار ہو گی اور جن کے ہاں چاندی کا سکہ رائج ہے وہاں بارہ ہزار درہم ہو گی۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہل شام اور اہل مصر سونے کے سکے والے اور اہل عراق چاندی کے سکے والے ہیں۔

وضاحت :- اونٹوں کی صورت میں دیت کی ادائگی بڑی مشکلات پیدا کرتی ہے۔ خصوصاً" شہریوں کے لیے بڑی تعداد میں جانور حاصل کرنا خاصا دشوار کام ہے۔ لہٰذا اونٹوں کی قیمت نقد میں متعین کرنا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی تقویم کی ضرورت پڑ گئی۔ انہوں نے لوگوں کی سہولت کے

لئے رائج الوقت سکہ دینار اور درہم میں قیمت مقرر کر دی۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت ایک اونٹ کی قیمت 10 دینار تھی اور دینار میں 12 درہم تھے لہٰذا دیت کی رقم ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر کی گئی۔ موجودہ زمانے میں سو اونٹ کی قیمت آج کل کے رائج سکہ میں مقرر کرنا ہو گی تاکہ لوگ آسانی سے دیت ادا کر سکیں۔

حدثنی یحیٰی عن مالک انه سمع ان الدیه تقطع فی ثلاث سنین اواربع سنین قال مالک: والثلاث احب ماسمعت الی فی ذالک۔ قال مالک الامر المجتمع علیه عندنا انه لا یقبل من اهل القرٰی فی الدیته الابل' ولا من اهل العمود الذهب' ولا الورق' ولا من اهل الذهب الورق' ولا من اهل الورق الذهب۔

ترجمہ :- امام مالکؒ کہتے ہیں کہ دیت تین یا چار سالانہ اقساط میں تقسیم کر دی جائے گی۔ تین سال کی قسطیں میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں متفق علیہ بات یہ ہے کہ شہریوں سے دیت میں اونٹ نہیں قبول کیے جائیں گے نہ اہل عمود کی طرف سے سونا یا چاندی' نہ سونے والوں سے چاندی اور نہ چاندی والوں سے سونا۔

وضاحت :- میرے نزدیک "اونٹ قبول کرنا" کی بجائے "اونٹ وصول کرنا" کے الفاظ کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ حکومت دیت وصول کرے گی۔ حدود و تعزیرات وغیرہ حکومت کے واسطے سے جاری ہوتی ہیں۔ حکومت ہی دیت وصول کر سکتی یا کوڑے لگا سکتی یا ہاتھ کاٹ سکتی ہے۔ قاضی جو فیصلہ کرے گا حکومت اس کو نافذ کرے گی۔ امام صاحب کی یہ تجاویز سہولت کے لئے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک کوئی جس شکل میں دیت ادا کرتا ہے تو قبول کرنی چاہیے۔

ماجاء فی دیه العمد اذا قبلت وجنایه المجنون۔
قتل عمد کی دیت جب ورثا اس کا دینا قبول کر لیں اور مجنون کی سزا

حدثنی یحیٰی عن مالک ان ابن شهاب کان یقول فی دیه العمد اذا قبلت خمس و عشرون بنت مخاض و خمس و عشرون بنت لبون' وخمس و عشرون حقه' وخمس و عشرون جذعه۔

ترجمہ :- امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن شہاب کہتے تھے کہ اگر قتل عمد میں ورثا دیت قبول کر لیں تو پچیس اونٹ دو سالہ' پچیس تین سالہ' پچیس چار سالہ اور پچیس پانچ سالہ ہوں گے۔

وضاحت :- یہ روایت حدیث نہیں بلکہ ابن شہاب کی اپنی رائے ہے۔ اس میں نہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے نہ صحابہ کا اثر بیان ہوا ہے۔ اگر خلفائے راشدین اس قسم کا فتوے دیتے تب تو اس کی اہمیت تھی۔ ابن شہاب کو اونٹوں کی عمریں متعین کرنے کا حق کس نے دیا؟ یہ صرف امام مالک کی سادہ لوحی ہے کہ ابن شہاب کی ایک رائے کو اپنی کتاب میں جگہ دے دی۔

حدثنی عن مالک عن یحیٰی بن سعید ان مروان بن الحکم کتب الی معاویه ابن ابی سفیان انه اتی بمجنون قتل رجلا فکتب الیه معاویه ان اعقله' ولا تقد منه فانه لیس علی مجنون قود۔

ترجمہ :- یحیٰی بن سعید سے روایت ہے کہ مروانؓ بن حکم نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ ایک مجنون میرے پاس لایا گیا ہے جس نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے۔ امیر معاویہؓ نے لکھا کہ اس سے دیت لو۔ قصاص نہیں لے سکتے۔ مجنون قصاص میں قتل نہیں ہو سکتا۔

وضاحت :- یہ حضرت امیر معاویہؓ کا فتویٰ ہے کہ مجنون کے اوپر قتل کی ذمہ داری نہیں' اس سے دیت لی جائے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر قصاص نہیں لیا جا سکتا تو دیت لینے کی کیا بنیاد ہے؟ جو عذر قصاص میں مانع ہے وہی عذر دیت میں بھی مانع ہونا چاہیے۔ قبیلہ ایک مجنون کی کہاں تک نگرانی کر سکتا اور اس کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے؟

دوسرا مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ اتنی بڑی رقم عاقلہ (یعنی قبیلہ کے وہ افراد جو مال جمع کر کے قاتل کی طرف سے دیت ادا کریں گے) پر پڑے گی۔ ہمارے ہاں عاقلہ کا سسٹم نہیں ہے۔ یہ نظام قبائلی زندگی کے ساتھ وابستہ تھا' اب ختم ہو گیا۔ قبائلی زندگی کی وجہ سے وہاں ہر ایک کو دوسرے کے غم اور مصیبت میں اور حقوق و حدود میں شرکت کرنا لازم ہوتا تھا۔ اس لئے اب یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ اس زمانہ میں عاقلہ کا بدل کیا ہو گا۔

قال مالک فی الکبیر والصغیر اذا قتلا رجلا جمیعا عمدا ان علی الکبیر ان یقتل' وعلی الصغیر نصف الدیه۔

ترجمہ :- امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر ایک بالغ اور ایک کمسن دونوں مل کر ایک شخص کو قتل کر دیں تو بڑے کو تو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور کمسن پر نصف دیت ہو گی۔

وضاحت :- یہ بھی حدیث نہیں اور نہ ہی صحابہ کا اثر ہے۔ یہ امام مالکؒ کا فتوٰی ہے۔ اگر کوئی ایسا واقعہ فی زمانہ پیش آ جائے تو فیصلہ کرنے کے لئے اس سے کچھ رہنمائی لی جا سکتی ہے۔

دیتہ الخطاء فی القتل۔
غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کی دیت

حدثنی یحیٰی عن مالک عن ابن شہاب عن عراک بن مالک و سلیمان بن یسار ان رجلا من بنی سعد بن لیث اجری فرسا علی اصبع رجل من جھینہ فنزی منھا فمات ٭ فقال عمر بن الخطاب للذی ادعی علیھم اتحلفون باللہ خمسین یمینا مامات منھا فابوا و تحرجوا وقال للاخرین اتحلفون انتم فابوا فقضیٰ عمر بن الخطاب بشطر الدیہ علی السعدین۔ قال مالک: ولیس العمل علی ھذا۔

ترجمہ :- عراک بن مالک اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ قبیلہ سعد بن لیث کے ایک آدمی نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ اس نے قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی کی انگلی روند دی جس سے اس کا خون نکل گیا اور وہ مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے جن پر دعویٰ کیا گیا تھا کہا کہ کیا تم پچاس قسم کھاؤ گے کہ وہ اس سے نہیں مرا۔ انہوں نے انکار کیا اور اس کو احتیاط کے خلاف سمجھا۔ پھر مدعیوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ قسم کھاتے ہو کہ وہ اس سے مرا ہے تو انہوں نے بھی انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے سعدین کے خلاف نصف دیت کا فیصلہ کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہے۔

وضاحت :- اس روداد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو قسامہ کا واقعہ قرار دیا۔ لیکن قسامہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی علاقے میں قتل ہو جائے اور قاتلوں کا سراغ نہ لگتا ہو تو وہاں کے سربر آوردہ لوگوں کو بلا کر ان سے قسم لی جاتی ہے کہ انہیں قاتلوں کا کوئی علم نہیں۔ روایت میں بیان کردہ پچاس قسموں کی بھی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ قسم کے بارے میں یہ قانون بھی ہے کہ الیمین علی من انکر ٭ قسم انکار کرنے والے پر ہے۔ مدعی سے قسم لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ قسم کمزور کا ہتھیار ہے۔ مدعا علیہ کے پاس اگر کوئی دلیل نہیں تو اس سے قسم لی جا سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پوری تفصیل سے نقل نہیں ہوا۔ جس طرح نقل ہوا ہے اس سے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اس پر عمل نہیں۔ یہ نہیں بتایا کہ کیوں اس پر عمل نہیں۔ غالباً انہی وجوہ کی بناء پر جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں وہ اس کو ناقابل فہم پاتے ہوں۔

حدثنی عن مالک عن ابن شہاب و سلیمان بن یسار و ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن کانوا یقولون دیہ الخطاء عشرون بنت مخاض ٭ وعشرون بنت لبون ٭ وعشرون ابن لبون ذکرا ٭ وعشرون حقہ ٭ وعشرون جذعہ۔

ترجمہ :- ابن شہاب ٭ سلیمان بن یسار اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ قتل خطاء کی

دیت بیس دو سالہ اونٹ ٭ بیس تین سالہ ٭ بیس چار سالہ بالکل جوان ٭ بیس چار سالہ اور بیس پانچ سالہ ہیں۔

وضاحت :- اس سے پہلے ابن شہاب کا یہ فتویٰ نقل ہوا ہے کہ دیت میں چار مختلف عمروں کے پچیس پچیس اونٹ دینے ہونگے۔ یہ فقہا حضرات کے فتوے ہیں ٭ کوئی حدیث یا اثر نہیں جن کی کچھ اہمیت ہو۔

قال مالک: الامر المجتمع علیہ عندنا انہ لاقود بین الصبیان ٭ وان عمدھم خطا مالم تجب علیھم الحدود و یبلغ الحلم ٭ وان قتل الصبی لایکون الاخطاء و ذالک لو ان صبیا و کبیرا اقتلا رجلا حرا خطاء کان علی عاقلہ کل واحد منھما نصف الدیہ۔

ترجمہ :- امام مالک کہتے ہیں کہ متفق علیہ بات ہمارے ہاں یہ ہے کہ بچوں کے قتل کے معاملے میں قصاص نہیں ہو گا۔ اور ان کا عمداً قتل کرنا خطا ہی تصور ہو گا جب تک کہ ان کے اوپر حدود واجب نہ ہو جائیں اور وہ بلوغت کو نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر کوئی بچہ قتل کر دے گا تو وہ خطا ہی شمار ہو گا اور اگر ایک بچہ اور ایک بڑا دونوں کسی آزاد شخص کو غلطی سے قتل کر دیں تو ہر ایک کی عاقلہ پر نصف دیت ہو گی۔

وضاحت :- یہ بھی امام مالکؒ کا فتویٰ ہے۔ بچوں کی حد تک یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ان کا کوئی فعل عمداً نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک بچہ اور ایک بڑا جب کسی آزاد کو قتل کر دیتے ہیں یعنی ان کے کسی فعل کے نتیجے میں قتل ہو جاتا ہے تو امام صاحب ہر ایک کی عاقلہ پر نصف نصف دیت مقرر کرتے ہیں حالانکہ بچہ اگر وہاں معصوم ہے تو یہاں کیوں نہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

عقل الجراح فی الخطاء
غلطی سے چوٹ لگ جائے تو اس کی دیت

حدثنی مالک ان الامر المجتمع علیہ عندھم فی الخطا انہ لایعقل حتی یبر المجروح ویصح وانہ ان کسر عظم من الانسان ید او رجل او غیر ذالک من الجسد خطاء فبری وصح و عاد لھیئتہ فلیس فیہ عقل ٭ فان نقص او کان فیہ عقل ففیہ من عقلہ بحساب مانقص منہ۔

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک متفق علیہ بات یہ ہے کہ غلطی سے اگر زخم لگ جائے

تو اس کی دیت نہیں ہو گی جب تک کہ مجروح ٹھیک نہ ہو جائے۔ اگر کسی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو یا ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ گیا ہو یا جسم پر کوئی اور چوٹ آئی ہو تو اگر وہ صحیح ہو جائے اور اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے تو اس میں دیت نہیں ہو گی۔ اور اگر کوئی نقص پیدا ہو گیا تو اس میں نقص کے حساب سے دیت ہو گی۔

قال مالکۃ ان کان ذالک العظم مما جاء فیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقل مسمی فبحساب مافرض فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان مما لم یات فیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقل مسمی ولم تمض فیہ سنتہ' ولاعقل مسمی فانہ یجتہد فیہ۔

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ اگر ہڈی ان ہڈیوں میں سے ہو جن کے بارے میں دیت نبی ﷺ نے معین فرمائی ہو تو اسی حساب سے لی جائے گی لیکن اگر اس بارے میں نبی ﷺ سے کوئی معین دیت مروی نہیں اور نہ اس بارے میں کوئی سنت ہے تو اس میں اجتہاد کیا جائے گا۔

وضاحت: یہ امام مالکؒ کے فتوے ہیں۔ اس میں سنت سے مراد صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کا عمل ہے۔ فقہا کے قول کو سنت نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ اس صورت میں جب کوئی حکم سنت سے ثابت نہ ہو' اجتہاد کیا جائے گا۔

عقل المراءۃ
عورت کی دیت

حدثنی یحیٰی عن مالک عن یحیٰی بن سعید عن سعید بن المسیب انہ کان یقول تعاقل المراہ الرجل الی ثلث الدیہ اصبعھا کاصبعہ' وسنھا کسنہ' وموضحتھا کموضحتہ ومنقلتھا کمنقلتہ۔

وحدثنی عن مالک عن ابن شہاب و بلغہ عن عروہ بن الزبیر انھما کانا یقولان مثل قول سعید بن المسیب فی المراہ انھا تعاقل الرجل الی ثلث دیہ الرجل فاذا بلغت ثلث دیتہ الرجل کانت الی النصف من دیتہ الرجل۔ قال مالکۃ وتفسیر ذالک انھا تعاقلہ فی الموضحتہ والمنقلہ ومادون المامونہ والجائفہ واشباھھما مما یکون فیہ ثلث الدیہ فصاعدا؟ فاذا بلغت ذالک کان عقلھا فی ذالک علی النصف من عقل الرجل۔

ترجمہ: سعید بن مسیب فتوی دیتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر رہے گی ایک تہائی

دیت تک کیونکہ اس کی انگلی مرد کی انگلی کی طرح' اس کے دانت مرد کے دانت کی طرح' کھلی ہوئی چوٹ مرد کی چوٹ کی طرح اور ہڈی اکھڑنا مرد کی ہڈی اکھڑنے کی طرح ہے۔

امام مالک ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور ان کو یہ بات عروہ بن زبیر سے بھی پہنچی کہ وہ دونوں سعید بن مسیب کے فتوے کی طرح ہی فتوی دیتے تھے یعنی یہ کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہو گی ایک تہائی دیت تک اور جب اس کی دیت مرد کی ثلث دیت تک پہنچ جائے گی تو اس سے آگے عورت کی دیت مرد کی نصف دیت کے برابر ہو گی۔ امام مالک اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ موضحہ اور منقلہ میں اور مامونہ اور جائفہ سے کم نقصان کی صورت میں جب تک مرد کی ثلث دیت کے برابر تک دیت ہو گی تو اس میں عورت کی دیت مرد کے برابر ہی ہو گی لیکن مامونہ اور جائفہ میں جب وہ اس حد کو عبور کر لیتی ہے تو عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف کر دی جائے گی۔

وضاحت: موضحہ' ایسا زخم جس سے ہڈی ننگی ہو جائے۔ منقلہ' سر کا زخم جس میں ہڈی کو نقصان ہو۔ ان چوٹوں کی دیت پانچ اونٹ ہے۔

مامونہ ایسی چوٹ جس کا اثر دماغ تک پہنچ جائے۔ جائفہ ایسی چوٹ جس کا اثر پیٹ کے اندر تک چلا جائے۔ ان چوٹوں کی دیت کل دیت کا ایک تہائی ہوتی ہے۔ سعید بن مسیب مدینہ کے فقیہ ہیں یہ ان کا فتوے ہے۔ اس کی بنیاد کسی مرفوع روایت پر نہیں۔ اگر یہ ان کا اجتہاد ہے تو کس بنیاد پر ہے' یہ واضح نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایک ثلث تک تو عورت کی دیت مرد کے برابر قرار دیتے ہیں لیکن جب چوٹ زیادہ ہو تو دیت مرد سے نصف مقرر کرتے ہیں کیونکہ عورت کی دیت کو مرد کے نصف رکھنا ہے۔ اس میں چوٹ یا زخم کے بڑا ہونے کا کوئی لحاظ نہیں۔

میرے نزدیک جب چند چھوٹے چھوٹے اعضاء میں عورت کی دیت مرد کے برابر ہے تو بڑے اعضاء میں بھی برابر ہونی چاہئے۔ نیز جب مرد اور عورت کے قصاص جانی میں کوئی فرق نہیں تو دیت میں فرق کیونکر ہو سکتا ہے۔ النفس بالنفس کا قانون اللہ تعالی کا دیا ہوا ہے اور نبی ﷺ سے بھی کوئی قول یا فعل ایسا نہیں جو اس کی تعیین کرتا ہو۔ نبی ﷺ کا ارشاد تو ایک طرف سعید بن مسیب کے فتوے کی بنیاد حضرات ابوبکر صدیقؓ عمر بن خطابؓ اور علی کرم اللہ وجہہ کے اثر پر بھی نہیں ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے عرب کے قدیم رواج پر فتوی دے دیا جو پہلے سے چلا آ رہا تھا۔

حدثنی عن مالک انہ سمع ابن شہاب یقول: مضت السنہ ان الرجل اذا اصاب امراتہ بجرح انہ علیہ عقل ذالک الجرح ولا یقادمنہ۔

ترجمہ: امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن شہاب کو فتوے دیتے سنا کہ عمل اس پر ہے کہ شوہر اگر بیگم کی پٹائی کرتے ہوئے زخم لگا دے تو اس پر اس زخم کی دیت ہو گی' قصاص نہیں لیا

جائے گی۔

وضاحت: حدیث میں یہ ہے کہ بیوی کو ایسی مار نہیں ماری جائے گی جو اپنا اثر چھوڑ دے تو اس پر دیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ابن شہاب نے قاعدہ ہی یہ بنا دیا کہ شوہر اگر بیوی کی ٹانگ توڑ دے، آنکھ پھوڑ دے یا اس طرح کی کوئی اور چوٹ لگا دے تو دیت دینا ہو گی۔

عقل الجنین
حمل کے بچے کی دیت

حدثنی یحیٰ عن مالک عن ابن شہاب عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف عن ابی ھریرہ ان امراء تین من ھذیل رمت احداھما الاخری فطرحت جنینھا فقضیٰ فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغرہ عبد، او ولیدہ۔

ترجمہ: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قبیلہ ھذیل کی دو عورتوں نے ایک دوسرے کو پتھر مارا تو ایک نے اپنا جنین ڈال دیا (یعنی اس کا حمل ساقط ہو گیا۔) رسول ﷺ نے اس کے بارے میں ایک لونڈی یا غلام کی دیت کا فیصلہ کیا۔

وضاحت: مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر مارنے والی عورت یا تو ایک لونڈی یا غلام دیت میں ادا کرے یا ان میں سے کسی کی قیمت لگا کر وہ ادا کرے۔ آپؐ نے جنین کو نفس پر ہی محمول کیا اور اس کی دیت ایک نفس غلام یا لونڈی مقرر فرمائی۔

حدثنی عن مالک ان ابن شہاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ فی الجنین یقتل فی بطن امہ بغرہ عبد او ولیدہ، فقال الذی قضیٰ علیہ کیف اغرم مالا شرب ولا اکل، ولا نطق ولا استہل، و مثل ذالک بطل، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ھذا من اخوان الکھان۔

ترجمہ: سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ایک جنین کے بارے میں جو اپنی ماں کے پیٹ میں قتل ہو گیا ہو، ایک لونڈی یا غلام کا فیصلہ دیا۔ جس کے خلاف آپ نے فیصلہ کیا اس نے کہا کہ میں اس وجود کا کیسے تاوان ادا کروں جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ چیخا۔ اس طرح کے وجود کا معاملہ باطل ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔

وضاحت: آنحضرت ﷺ نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور اس کے اعتراض کو مناسب خیال نہیں کیا۔ اس زمانے میں لونڈی یا غلام تاوان میں دیئے جاتے تھے۔ اب تقویم کا قاعدہ چلے گا۔ موجودہ حالات میں کچھ رقم ادا کی جائے گی۔
آدمی نے جو اعتراض کیا اس کی عبارت میں ہم قافیہ الفاظ استعمال کئے۔ کاہنوں کا کلام اسی طرح کا ہوتا تھا اس لئے حضور نے فرمایا کہ یہ شخص کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔

حدثنی عن مالک عن ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن انہ کان یقول الغرہ تقوم بخمسین دینارا؟ اوستمائہ درھم و دیہ المراہ الحرۃ المسلمۃ خمسمائہ دینار او ستہ آلاف درھم۔

ترجمہ: امام مالکؒ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتوے دیتے تھے کہ ایک نفر غلام کی قیمت لگائی جائے گی پچاس دینار یا چھ سو درھم اور ایک آزاد مسلمہ عورت کی دیت ہو گی پانچ سو دینار یا چھ ہزار درھم۔

وضاحت: یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے اپنے زمانے کے لحاظ سے تقویم کر دی ہے کہ اگر قیمت دینا ہو گی تو اتنے دینار یا درھم ادا کرنے ہوں گے۔

مافیہ الدیہ کاملا"
جس میں کامل دیت ہو گی

حدثنی یحیٰ عن مالک عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب انہ کان یقول: الشفتین الدیہ کاملہ، فاذا قطعت السفلیٰ ففیھا ثلث الدیہ۔

ترجمہ: ابن شہاب سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتوے دیتے تھے کہ دونوں ہونٹوں کی دیت کامل ہو گی اور اگر نیچے کا ہونٹ کٹا ہے تو دیت ایک تہائی حصہ ہو گا۔

وضاحت: یہ بھی سعید بن مسیب کا فتوے ہے۔

ماجاء فی عقل العین اذ ذھب بصرھا۔
آنکھ کی دیت جب اس کی بینائی جاتی رہے۔

حدثنی یحیٰ عن مالک عن یحیٰ بن سعید عن سلیمان بن یسار ان زید بن ثابت کان یقول: فی العین القائمہ اذا طفئت مائتہ دینار۔

ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ زید بن ثابت فتوے دیتے تھے اس آنکھ کے بارے میں

جو شکلاً تو قائم لیکن اس کا نور ختم کر دیا جائے کہ اس کی دیت ایک سو دینار ہو گی۔

حدثنی یحیٰی عن مالک عن یحیٰی ابن سعید بن المسیب انه قال کل نافذہ فی عضو من الاعضاء ففیه ثلث عقل ذالک العضو۔

ترجمہ: سعید بن مسیب کا فتوے ہے کہ اگر اعضا میں سے کسی عضو میں سوراخ ہو جائے تو اس عضو کی ایک تہائی دیت ہو گی۔

وضاحت: زخموں کے مختلف نام ہیں جن میں ہمارے لئے یہ متعین کرنا ہی مشکل ہے کہ زخم کی نوعیت اور مقدار کیا ہے۔ اب ایسے تمام معاملات کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں دیے جائیں گے۔ ڈاکٹر ہی ان کو ناپے گا۔ وہی دیکھے گا اور اس کی رپورٹ کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ وہی بتائے گا کہ اس میں صحیح طور پر جسمانی قصاص لینا ممکن ہے یا نہیں۔ عدالت اس کی رپورٹ کی روشنی میں فیصلہ کرے گی۔

دیت کے معاملات کی بنیاد نبی ﷺ کا وہ نامہ ہے جو آپؐ نے ابن حزم کے نام لکھا۔ اس کے سوا یہ سب چیزیں اجتہادی کی ہیں۔ اصحاب علم اس میں فیصلہ کریں گے۔ امام مالک بتاتے ہیں کہ اس بارے میں مدینہ کے اہل علم کے درمیان کوئی امر طے شدہ نہیں ہے۔

حدثنی یحیٰی عن مالک عن ربیعه بن ابی عبدالرحمٰن ان عبدالله بن الزبیر اقاد من المنقلہ۔

ترجمہ: امام مالک ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر نے منقلہ میں قصاص دلوایا۔

وضاحت: سر کی ہڈی کے اوپر جو کھال ہوتی ہے وہ اتر جائے تو اس زخم کو منقلہ کہتے ہیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اس چوٹ پر قصاص دلوایا۔ مالکیہ کا فتوے یہ ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں کمی بیشی کا خطرہ ہے، عدل ممکن نہیں۔ اس لئے دیت ہو گی۔ میرے نزدیک اس صورت میں دیت ہی بہتر صورت ہے۔

ترتیب: سعید احمد

افادات فراہیؒ

خالد مسعود

تلاش نظم کے لئے چند اہم اشارات

ہر کلام کے نظم کو، اور بالخصوص کلام وحی کے نظم کو، جاننے کے لئے خاص اصول ہیں۔ مثلاً

الف۔ ایک بات یا تو ایک ہی جملے میں ادا ہو جاتی ہے یا متعدد ایسے جملوں میں جن کا موضوع ایک ہی ہوتا ہے۔

ب۔ بعد میں آنے والا جملہ پہلے آنے والے جملے سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے جڑا ہونے کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ یا تو بعد کا جملہ سابقہ جملہ کے موضوع میں مشترک ہوتا ہے یا اس کے کسی خاص جزو سے ملا ہوا ہوتا ہے یا اس کا موضوع پہلے جملہ کے موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔

ج۔ بعد میں آنے والے جملے کا تعلق کبھی تو سابقہ جملہ کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس سے اوپر کے کسی جملہ یا مضمون سے مربوط ہو۔

ان اصولوں سے کئی چیزیں متفرع ہوتی ہیں، جن کو آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے۔

قرن پر غور:

قران سے مراد دو کلمات یا دو اقوال کا ساتھ ساتھ آنا ہے، خواہ یہ حرف عطف کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔ اس طرح ساتھ ساتھ آنے والے الفاظ یا جملے ایک دوسرے کے قرن کہلاتے ہیں۔ قرن کا پایا جانا مختلف معانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، مثلاً

الف۔ ایک قرن دوسرے کی وضاحت یا اس کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ متعدد صفات باری تعالیٰ اسی مقصد کے لئے ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ مثلاً عزیز مقتدر (زبردست اور ہمہ گیر اقتدار والا) العزیز الجبار (غالب اور زور آور) اور عزیز ذوانتقام (غالب اور انتقام لینے والا)

کسی خاص صفت کے ساتھ کئی صفات کا بطور قرن آنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ مختلف صفات ایک ہی جامع امر کے تحت ہیں۔ مثلاً عزیز کی صفت رحیم، علیم، حکیم اور غفار کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفت رحمت، حکمت، علم اور غفران ایک ہی جامع صفت کے پر تو ہیں۔

ب۔ دو قرن کسی ایک معنی میں مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً فرمایا

الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان (رحمٰن 5، 6)
(سورج اور چاند ایک حساب سے گردش کرتے ہیں اور ستارے اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں)

یہاں دو متصل جملوں میں یسبحان اور یسجدان کے الفاظ لا کر اس بات پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ یہ سب چیزیں خدا کے آگے مسخر بھی ہیں اور اس کی عبادت میں بھی لگی ہوئی ہیں۔ سورج اور چاند کا ایک معین نظام میں حرکت کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ کسی حاکم کے تحت ہوں جس نے ان کو اس خدمت پر لگا رکھا ہو۔ لہٰذا یہ دونوں اس کی عبودیت میں ہیں اور اس کے تخت شاہی کے آگے سربسجود رہتے ہیں۔ عالم جمادات کی ان دو واضح نشانیوں کے بعد عالم نباتات کے سجدہ کا ذکر کر کے متنبہ کر دیا کہ اسی طرح عالم حیوانات بھی خدا کے آگے سرنگوں رہتا ہے۔ اس مضمون کی وضاحت دوسری جگہ کر دی۔ فرمایا

الم تر ان الله یسجد له من فی السماوات و من فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب و کثیر من الناس (22 : 18)

(کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ کے آگے جھکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے اور لوگوں میں سے بتیرے۔)

ج۔ ایک قرین جب دوسرے کے موافق ہوتا ہے تو اس کی تائید کرتا ہے اور غور کرنے پر ان کی مماثلت سمجھ میں آتی ہے۔ مثلاً" مواسات یا انسانی ہمدردی کا ذکر ایک مقام پر نماز کے ساتھ آیا ہے اور دوسری جگہ ایمان باللہ یا ایمان بالآخرہ کے ساتھ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز اور ایمان ایک ہی باب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً" فرمایا

قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین (مدثر : 42'43)

(وہ جواب دیں گے' ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ غریبوں کو کھلاتے ہی تھے)

انه کان لا یومن بالله العظیم ولا یحض علی طعام المسکین (الحاقہ : 32'33)

(یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ مسکینوں کو کھلانے پر لوگوں کو ابھارتا تھا)

ارءیت الذی یکذب بالدین فذلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین (ماعون : 2'3)

(دیکھا تم نے اس کو جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکینوں کو کھلانے پر نہیں ابھارتا)

ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر ہم اس نتیجہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں کہ ایمان باللہ' ایمان بالآخرہ' نماز اور مواسات' سب کا تعلق ایک ہی اصل سے ہے۔

اسی طرح عمل صالح کا ذکر کہیں ایمان کے قرین کی حیثیت سے ہوا ہے' کہیں تقویٰ کے قرین کی حیثیت سے' جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان ایک ہی شے ہیں۔ شرک کا ذکر شہادت زور (جھوٹی گواہی) کے ساتھ بھی ہوا اور زنا کے ساتھ بھی۔ اس سے ان چیزوں کی ایک دوسرے کے ساتھ معنوی

مناسبت واضح ہوتی ہے۔

اس اسلوب کی روشنی میں ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دو قرینوں میں سے اگر ایک فنا ہو گا تو دوسرا قرین بھی باقی نہیں رہ سکتا اور ایک چیز اگر باقی رہے گی تو دوسری کو بھی باقی رکھنے کا باعث ہو گی۔ چنانچہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ کرنے اور کبھی صلوٰۃ کو زکوٰۃ پر اور کبھی زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر مقدم کرنے میں یہی مصلحت ملحوظ ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک چیز فنا ہو جائے گی تو دوسری بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن ہمیں اس اسلوب کے ذریعے دو چیزوں کے اثرات کی مماثلت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ترک صلوٰۃ کے اثر کے حوالہ سے ترک زکوٰۃ کے اثر پر استدلال کیا اور ان لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے گی جب تک وہ نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرنے لگ جاتے۔

د۔ دو قرین کبھی ایک دوسرے کے مقابل کے طور پر بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اس طرح آئی ہیں۔ مثلاً" العزیز الغفار (زبردست اور بخشنے والا) یا العزیز الرحیم (زبردست اور رحم کرنے والا) وغیرہ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام صفات باری تعالیٰ' اگرچہ ہمیں متضاد نظر آتی ہیں لیکن وہ سب ایک ہی امر کلی کے تحت ہیں۔

مختلف و متضاد چیزوں کو یکجا کر کے بیان کرنے کا ایک فائدہ ان کی حقیقت کو سمجھانا ہوتا ہے کیونکہ اشیاء اپنے اضداد سے اچھی طرح پہچانی جاتی ہیں۔ نیز ایک شے اپنی ضد شے کی نفی کرتی ہے۔ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ متضاد امور کی تصریح کر دیتا ہے اور کبھی محض اشارہ کو کافی سمجھتا ہے۔ اس اصول پر قرآن نے صدقہ اور ربا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی لئے ربا کا جو اثر آدمی پر پڑتا ہے' صدقہ کا اثر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ چنانچہ ربا کے ضمن میں فرمایا:

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس (بقرہ 275)

(جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو)

اس کے برعکس صدقہ کا اثر حق پر دل کو جمائے رکھنا بتایا:

ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضاة الله و تثبیتا من انفسهم (بقرہ 265)

(اور ان لوگوں کے عمل کی تمثیل جو اپنے مال اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو جمائے رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں یوں ہے۔)

ربا اور صدقہ کو ایک دوسرے کے ضد قرار دینے کے لئے موقع کلام میں اشارات بھی موجود ہیں۔

مثلاً "ربا پر اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا جبکہ صدقہ کو اللہ کی رضا کا نام دیا گیا۔ پھر آیت 276 میں دونوں کو مقابل رکھ کر فرمایا

یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات (بقرہ - 276)
(اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا)

اس طرح متضاد امور کو ساتھ ساتھ بیان کرنے کا مقصد اخلاق کی تعمیر اور دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔

و۔ ساتھ ساتھ آنے والے دو جملوں میں تعلق علت اور نتیجہ کا بھی ہوتا ہے۔ کبھی علت پہلے بیان ہوتی ہے اور نتیجہ بعد میں' لیکن کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب دو امور کے درمیان یہ نسبت معلوم ہو جائے تو جب دونوں میں سے ایک کا ذکر کر دیا جائے تو دوسرے امر کی طرف رہنمائی خود بخود مل جاتی ہے۔ اس کی مثال کے لئے حسب ذیل آیات پر غور کرو:

فامامن طغی و آثر الحیوہ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی و اما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنہ ھی الماوی (النازعات 37-41)
(تو جس نے سرکشی کی اور آخرت کے بالمقابل دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا تو بس جہنم ہی بنے گی۔ اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو خواہش کی پیروی سے روکا تو اس کا ٹھکانا لاریب جنت ہے)

ان آیات میں سرکشی نتیجہ ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی علت۔ دوسری طرف رب کے آگے حاضری کا خوف علت ہے اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنا اس کا نتیجہ۔ جب دو امور کے مابین یہ نسبتیں معلوم ہو گئیں تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں رہا کہ دنیا کو ترجیح دینے والا شخص ایک طرف لازماً سرکشی کی راہ اختیار کرے گا اور دوسری طرف اپنے رب سے بھی بے پروا ہو جائے گا۔ اس نتیجہ کی بنیاد یہ ہے کہ ایسا شخص نفس کو خواہشات سے بچا نہیں سکتا۔ اس کے رویہ میں جب یہ اثر پایا جاتا ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس اثر کی علت بھی اس کے ہاں پائی جاتی ہے۔

و۔ لفظ اپنے لازم معانی پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً" اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا لازم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے درمیان عدل کرے' کوئی چیز بے مقصد پیدا نہ کرے اور کمزور کو کوئی ایسا حکم نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ جب تم کوئی لفظ پڑھو اور اس کے تمام لازم معانی کو بھی ذہن میں رکھو تو تم پر کلام کا ربط واضح ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی آیت افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔ محمد 24 (کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں) میں جس غور کا ذکر ہے میرے نزدیک اس سے مراد الفاظ کے لازم معانی ہی پر غور کرنا ہے۔

اسی نوعیت کی دوسری چیز وہ لازم مفہوم ہے جو کسی لفظ سے مترتب ہوتا ہو۔ مثلاً" نعمت کے لئے شکر لازم ہے' مالک کے لئے عبادت لازم ہے' ایک قادر مطلق اور نعمت عطا کرنے والے مالک کا لازم

حق ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے' اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس پر اعتماد و توکل کیا جائے۔ قرآن مجید میں اکثر دیکھو گے کہ اللہ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت بیان ہوتی ہے یا اس کی قدرت کاملہ کے بیان کے بعد شرک کا رد ہوتا ہے تو یہ انہی لازم مفاہیم کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ز۔ جب کلام کے تمام حصوں میں وسیع ربط قائم کرنا ممکن ہو جس کے نتیجہ میں کوئی حصہ ربط سے محروم نہ رہتا ہو تو وہاں ربط کے ایسے پہلو مراد نہیں لینے چاہئیں جو قریب اور متصل حصوں کو تو مربوط کر دیتے ہوں لیکن اس بعید حصہ کو مربوط نہ کرتے ہوں جس کا مضمون پوری طرح چھایا ہوا ہو۔

اسی طرح مفہوم کے اس پہلو کو جس کے حق میں عبارت کے اندر کوئی دلیل موجود ہو کسی بھی ایسے پہلو پر ترجیح دی جائے گی جو صرف ایک مفروضہ ہو۔

علیٰ ہذا القیاس' مفہوم کا وہ پہلو ترجیح پائے گا جس کی موافقت کتاب و سنت کی محکمات کے ساتھ ہو گی۔

اس مضمون کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

(i) یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ وجاہدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ○ ان الذین کفروا لو ان لھم مافی الارض جمیعا و مثلہ معہ لیفتدوا بہ من عذاب یوم القیمہ ماتقبل منھم ولھم عذاب الیم (المائدہ 35-36)

(اے ایمان والو' اللہ سے ڈرتے رہو اور اسی کے تقرب کے طالب بنو اور اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اگر انہیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ سکیں تو بھی ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا۔ ان کے لئے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے)

اس آیت کا تفسیر میں علامہ شاہ عبدالقادر دہلوی" اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں: "رسول کی اطاعت میں جو نیکی کرو وہ قبول ہے اور بغیر اس کے عقل سے کرو قبول نہیں۔" یہ کلام اپنی جگہ صحیح ہے لیکن جہاں تک لفظ وسیلہ کے مفہوم کا تعلق ہے اس تفسیر کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ عمل کے صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ اس میں پیغمبر کی اطاعت پائی جائے۔ کیونکہ پیغمبر آتا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو عمل صالح کی طرف دعوت دے اور اس کی وضاحت کرے' اس لئے یہاں دفع دخل مقدر کا کوئی موقع نہیں۔

آیت ماقبل اور مابعد سے موافقت رکھنے والی تفسیر یہ ہے کہ بندے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے تقویٰ کو ایسے اعمال کے ذریعے ثابت کرے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والے

ہوں۔ مثلاً" قربانی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم (حج 37)

(اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون بلکہ اس کو صرف تمھارا تقوی پہنچتا ہے۔)

سبق آیات میں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان ہوا جس میں قربانی اور تقوی کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینے اور اس کے ذریعے فلاح پانے کا ذکر تھا۔ یہ ذکر اس ضمن میں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اللہ کی راہ میں قتال سے انکار کر دیا تھا۔ جان اور مال کی قربانی کا تعلق جہاد اور ذبیحہ سے بالکل ظاہر ہے۔ لہٰذا اسی بنیاد پر آگے فرمایا کہ جاھدوا فی سبیلہ پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے تقوی کا ثبوت جہاد کر کے پیش کرو تو فلاح پاؤ گے۔ قربانی خواہ جان کی ہو یا مال کی، وہ فدیہ ہوتی ہے۔ یہ مفہوم عربوں کے فہم سے بہت قریب تھا۔ چنانچہ ان کے کسی شاعر کا شعر ہے:

نھین النفوس وھون النفوس عند الکریھۃ ابقی لھا

(ہم جانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ گھمسان کے رن میں جانوں کو معمولی سمجھنا ان کی بقا کا ضامن ہوتا ہے)

فلاح کے مفہوم میں بقا شامل ہے اور فدیہ، قربانی اور اس کے ذریعہ سے برکت کا معنی بھی اس میں شامل ہے۔ لہٰذا جب فرمایا لعلکم تفلحون (تاکہ تم فلاح پاؤ) تو اس کے بعد یہ وضاحت بھی کر دی کہ قیامت میں فدیہ کے طور پر دنیا بھر کی دولت پیش کی جائے گی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا تمہارے لئے لازم ہے کہ دنیا میں صالح اعمال کے ذریعے اپنا فدیہ پیش کرو۔

تم نے دیکھا کہ اس تفسیر کی بنیاد وسیع ربط پر ہے، اس کے حق میں عبارت کے اندر شہادتیں موجود ہیں، قرآن کے اندر اس مفہوم کے محکم شواہد پائے جاتے ہیں اور زبان اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(ii) دوسری مثال سورہ انعام میں ہے۔ فرمایا

وھذا صراط ربک مستقیما قد فصلنا الایٰت لقوم یذکرون (انعام 126)

(اور یہ تیرے رب کی راہ ہے سیدھی۔ ہم نے اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو یاددہانی حاصل کریں۔)

اس آیت کی تفسیر شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے یوں کی ہے:

"حکم برداری کرنی اور عقل کو دخل نہ دینا سیدھی راہ ہے۔"

اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں صراط مستقیم کی وضاحت توحید سے بکثرت کی گئی ہے۔ یہاں یہ کلام اسلام کو اللہ کے لئے خاص کرنے کے معنی میں آیا ہے اور اس اعتبار

سے اللہ کی آیات پر یقین کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے متصلاً پہلے یہ آیت آئی ہے:

فمن یرد اللہ ان یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون (انعام - 125)

(اللہ جس کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بالکل تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ ناپاکی مسلط کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔)

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو طاعت کی توفیق دیتا ہے تو ان کے سینے اس کے لئے کھول دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی آیات سے فائدہ اٹھاتے اور ان کو یاد رکھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لانا چاہتے تو ان پر شیاطین کی نجاست پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ان کے دل حق سے پھر جاتے اور فاسد بدگمانیاں ان کو گمراہ کرتی ہیں۔ چنانچہ ان کے دل قبول حق کے لئے تنگ ہو جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ یہ نہیں ہوتا کہ مومنین کی عقل معطل ہو جاتی ہو بلکہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی عقلیں سلامت روی سے کام کرنے لگتی ہیں۔ قد فصلنا سے آگے آیت کا آخری حصہ ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی تائید میں ہے اور قرآن کی تکملات اسی کی تائید کرتی ہیں۔

(iii) الم تعلم ان اللہ لہ ملک السماوات والارض یعذب من یشاء و یغفر لمن یشاء واللہ علی کل شی قدیر (مائدہ 4)

(کیا تمھیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، وہ جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جس کو چاہے گا بخشے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں:

"یہ اس پر فرمایا کہ کوئی تعجب نہ کرے کہ چور کو تھوڑی خطا پر بڑی سزا فرمائی"۔

یہ تفسیر صحیح نہیں۔ آیت کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے۔ وہ ظالموں کو عذاب دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ جس طرح وہ اپنی قدرت سے عذاب دیتا ہے اسی طرح اپنی قدرت ہی سے معاف کرتا ہے۔ یہ تفسیر نظم کلام کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت سے قبل چور کی سزا بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ اس گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص توبہ کے بعد اصلاح کر لے اس کی مغفرت میں کوئی مانع نہیں اور یہ خدا کی عین مشیت ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرتا ہی نہیں جو ناحق یا خلاف عدل ہو اس لئے چور کی سزا پر اعتراض کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا جس کا جواب یہاں دیا جائے۔

خالد مسعود

فتح مکہ کی تکمیل

ابتدائی مصروفیات:

مکہ فتح ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقام حجون میں خیمہ لگایا گیا۔ جب لشکر اسلام کے تینوں حصے کامیابی سے شہر میں داخل ہو کر حجون میں یکجا ہو گئے تو آنحضرتؐ نے بیت اللہ کا قصد فرمایا جو اب تک آپ کی ساری جدوجہد کا مرکز رہا تھا۔ آپ حرم کعبہ میں پہنچے تو مسلمانوں کے جم غفیر کے باعث مسجد حرام کا صحن تنگ پڑ گیا۔ لہٰذا آپ نے قصواء ہی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ آپ حجر اسود کی سیدھ میں آتے تو اپنے عصا کے اشارہ سے استلام کر لیتے۔ طواف کے بعد سواری سے اترے اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ صحابہ کرام نے بھی یک زبان ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آنحضرتؐ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد زم زم پیا۔

اب آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا جن کے پاس خانہ کعبہ کی چابیاں رہا کرتی تھیں۔ انھوں نے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ آنحضرتؐ اپنے دو صحابہ۔ اسامہؓ اور بلالؓ کے ہمراہ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد جائزہ لیا تو دیواروں کے ساتھ کچھ بت اور تصویریں نظر آئیں۔ آپ نے بتوں کو گرایا اور ساتھیوں کی مدد سے تصاویر کو مٹاتے رہے۔ کعبہ کے اندرون کو بتوں اور تصویروں سے پاک کرنے کے بعد آپ نے اس کو دھلوایا۔ زبان مبارک پر جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا (حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔ باطل ہے ہی نابود ہونے والا) کی آیت رواں تھی۔

آپ باہر تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ بنو ہاشم کے پاس سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانے کا منصب ہے۔ اگر اس منصب کے ساتھ ساتھ حجابہ کا منصب بھی انھیں دے دیا جائے اور خانہ کعبہ کی چابی ان کے پاس رہے تو بنو ہاشم کے لیے یہ بات باعث فخر ہو گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر خانہ کعبہ کی تولیت کے حوالہ سے قریش کی فضیلت بحال کرنے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اس لیے آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر چابی ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا ! آج وفاشعاری کا دن ہے۔ تم یہ چابی ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھو۔ بجز ظالم کے کوئی شخص اس کو تم سے چھین نہیں سکے گا"۔

حرم کعبہ میں خطاب:

اس کے بعد فتح مکہ کی مہم کی کامیابی کی تقریب سے آنحضرتؐ نے اہل مکہ کو حرم کعبہ میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ لوگ صحن میں جمع ہو گئے تو آپؐ نے خانہ کعبہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر ان سے خطاب کیا۔ سب سے پہلے آپ نے توحید کا اعلان اور اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ سچا کر دکھایا اور آپ کے تمام مخالفین مغلوب کر دیے۔ فرمایا !

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ صدق وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ

(تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اکیلے تمام مخالف گروہوں کو شکست دی)

آپؐ کی بیس سالہ دعوت کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ اللہ ایک ہے' وہی حقیقی معبود ہے جس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ مشرکین کا دین اللہ سے بغاوت کا دین ہے جس کے حق میں کوئی سند نہیں۔ بیت اللہ کی تعمیر اللہ کے موحد بندے ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کو توحید کا مرکز قرار دیا تھا۔ لہٰذا مشرکین کا حرم کعبہ پر قبضہ بالکل ناجائز ہے۔ توحید کا یہ مضمون اس لائق تھا کہ اسے اہل مکہ سے خطاب کا سرنامہ بنایا جاتا۔ مشرکین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کا ہمیشہ انکار کرتے رہے تھے۔ وہ اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ یہ دعوت کچھ مدت تک اپنی جولانیاں دکھانے کے بعد خود بخود ختم ہو جائے گی اور عربوں کا ذہن اس کو کسی صورت میں قبول نہیں کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بار بار یہ حقیقت واضح کی کہ جب کسی قوم میں خدا کا رسول مبعوث ہوتا ہے تو اس کے لیے نجات کا واحد راستہ اس کی دعوت کو قبول کرنے ہی کا رہ جاتا ہے۔ قوم اگر رسول کا انکار کرتی یا اسے جھٹلاتی ہے تو اپنے لیے تباہی کا سامان کر لیتی ہے۔ آنحضرتؐ جس حقیقت سے اپنی قوم کو بارہا آگاہ کر چکے تھے' آج اپنے خطاب میں اسی کے نتائج ان کے سامنے رکھ رہے تھے کہ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا' اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس کے دشمنوں کو مغلوب کیا۔ حضورؐ کے خطاب کے اس حصے کو سورہ صافات کی آیات ۱۷۱ تا ۱۷۳ کے مقابل رکھ کر دیکھیے تو ان کا صحیح زور سمجھ میں آئے گا۔ وہاں فرمایا ہے۔

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ○ انھم لھم المنصورون ○ وان جندنا لھم الغلبون ○

(اپنے فرستادہ بندوں کے حق میں ہمارا حکم پہلے سے موجود ہے کہ انھی کی نصرت کی جائے گی اور یہ کہ ہمارا لشکر ہی غالب آنے والا ہے)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے خطاب کے مذکورہ تینوں جملے انہی آیات سے ماخوذ ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے قریش کے مختلف خانوادوں کے مابین ایک دوسرے پر برتری کے دعوے اور خون اور مال کے مطالبات یکسر ختم کرتے ہوئے فرمایا:

الا کل مأثرة او دم او مال یدعی فهو تحت قدمی هاتین الا سدانه البیت وسقایه الحاج

(جان لو کہ ترجیح یا خون یا مال کے تمام دعوے میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ البتہ بیت اللہ کی حفاظت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی)۔

مطلب یہ کہ حفاظت بیت اللہ اور حاجیوں کو پانی پلانے جیسے خدمت کے کام قریش سے لیے جائیں گے لیکن ان کے سوا ان کے تمام انتظامی و سیاسی اختیارات ختم کیے جا رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کی تمام ذمہ داری اب خود اسلامی ریاست پوری کرے گی مثلاً" جنگ و جدل کا معاملہ ہو گا تو یہ لازماً" بنو امیہ کے حوالے نہیں کیا جائے گا بلکہ مرکزی حکومت جس شخص سے چاہے گی یہ خدمت لے گی' اور سفارت کا مسئلہ درپیش ہو گا تو لازماً" بنو عدی کا کوئی فرد اس کے لیے منتخب نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ کام اسلامی حکومت اپنے مصالح کے تحت مختلف لوگوں سے لے گی۔ اصل میں یہ بیت اللہ شریف کا کنٹرول خود سنبھالنے کا اعلان تھا۔ حرم شریف کی خدمت کے کام مراعات و اختیارات سے بوجھل نہیں تھے بلکہ ایک دینی ذمہ داری و خدمت کے کام تھے' اس لئے ان کی گنجائش باقی رکھی۔

اس موقع پر آنحضرتؐ نے قریش کو باقاعدہ مخاطب کرکے ان کو یہ تلقین فرمائی کہ اسلام میں خاندانی شرف کوئی معنی نہیں رکھتا۔ باپ دادا کی عظمت کے حوالے سے اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے برتر سمجھنا ایک عبث کام ہے۔ تمام انسان برابر ہیں' یہ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ لہٰذا اپنی بڑائی کا اظہار اور دوسروں کی تحقیر کسی سلیم الطبع آدمی کو زیب نہیں دیتی۔

آپ نے فرمایا:

یا معشر قریش ان الله قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیه و تعظمها بالاباء۔ الناس من آدم و آدم من تراب

(اے گروہ قریش' اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کا غرور اور آباء و اجداد کا نام لے کر اپنی برتری کا دعویٰ تم سے دور کر دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی)

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کی نگاہوں میں قدروقیمت رکھنے والی صفت آدمی کے اندر تقویٰ ہے۔ جو آدمی اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی سے زیادہ بچنے والا ہو گا اللہ کے ہاں وہی زیادہ عزت پائے گا۔ آپؐ نے سورہ الحجرات کی آیت پڑھی:

یایها الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا

ان اکرمکم عند الله اتقاکم

(اے لوگو' ہم نے تمہیں ایک نر اور ایک ناری سے پیدا کیا اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ تم میں سب سے معزز اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے)

اس کے بعد آپؐ نے اہل مکہ کو بالعموم اور قریش کو بالخصوص مخاطب کرکے سوال کیا کہ 'جانتے ہو' میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں'۔ یہ وہی سوال ہے جو ہر فاتح اپنے مفتوح دشمن سے کرتا ہے۔ وہ اس وقت طاقت کے نشے میں ہوتا ہے۔ وہ کبھی تو شہریوں کے قتل عام کا نادر شاہی حکم سناتا' کبھی ان کی عزت' مال اور جان اپنے فوجیوں پر مباح کر دیتا اور کبھی اپنے حریفوں کی تذلیل کی نئی نئی صورتیں پیدا کرتا ہے۔ لیکن اللہ کے رسول کا انداز یہ نہیں ہوتا۔ وہ تو عین میدان جنگ میں بھی کوئی ناروا حرکت اپنے یا اپنے سپاہیوں کے لیے جائز نہیں سمجھتا' مفتوحوں کے لیے وہ ایسا کیوں کرے گا۔ اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کی نجابت اور کریمانہ اخلاق سے بخوبی واقف تھے۔ وہ آپ کے سوال کا مقصد سمجھ گئے۔ چنانچہ مجمع سے آواز آئی خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم۔ (بھلائی کا سلوک' آپ ایک شریف بھائی اور ایک شریف بھائی کے بیٹے ہیں) اس پر آپؐ نے فرمایا! میں تمہارے حق میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے حق میں کہی تھی کہ لا تثریب علیکم الیوم (آج تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں) جاؤ' تم آزاد ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کا حوالہ دینا بڑی ذومعنی بات ہے۔ اس میں آپ کا اشارہ سورہ یوسف میں بیان کردہ قصہ کی طرف تھا۔ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب ہجرت سے قبل آپؐ مکہ میں قریش کے مظالم سہہ رہے تھے۔ اس میں آپؐ کو تسلی دینے اور حالات کی تبدیلی کی ایک جھلک دکھانے کے لیے حضرت یوسفؑ کی زندگی کا حیرت انگیز واقعہ سنایا گیا کہ ابھی وہ بچے تھے کہ خواب میں یہ دیکھا کہ سورج' چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ وہ بھاگے بھاگے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو اپنا خواب سنایا۔ انھوں نے اس کو حضرت یوسفؑ کی ترقی درجات پر محمول کیا اور ہدایت فرمائی کہ اس کا تذکرہ وہ اپنے بھائیوں سے نہ کریں کیونکہ وہ ان سے حسد رکھتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کریں گے۔ یوسفؑ اپنی نیک طینت کے باعث والد کو بے حد محبوب تھے۔ چنانچہ بھائیوں نے یوسفؑ کو رستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ وہ سیر اور شکار کے بہانے ان کو جنگل میں لے گئے اور اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ اپنے طور پر تو اب وہ ان سے چھٹکارا حاصل کر چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔ ایک قافلے کا گزر اس کنویں پر ہوا تو قافلے والوں نے یوسف کو نکال لیا اور مصر کے بازار میں غلام کے طور پر فروخت کر دیا۔ یہاں سے حضرت یوسفؑ کی مزید آزمائش شروع ہوئی حتیٰ کہ آپ کو زندان میں قید کر دیا گیا۔ آپ تمام آزمائشوں پر پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ اور صبر کے انعام سے نوازا اور زندان سے ان کی رہائی اور

بادشاہ وقت کے دربار میں عزت افزائی کے اسباب پیدا فرما دیے۔ حضرت یوسفؑ کو ملکی وسائل پیداوار کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ان کے بڑے اختیارات تھے۔ اسی زمانے میں ملک میں طویل قحط پڑا جس کا مقابلہ کرنے میں حضرت یوسفؑ کی دانشمندی کام آئی۔ برادران یوسف بھی قحط سے متاثر ہوئے اور ایک تباہ حال خاندان کی حیثیت سے یوسفؑ کے پاس آکر طالب مدد ہوئے۔ ان کی بدنیتی اور حضرت یوسفؑ کے لیے بدخواہی اب بھی آشکارا تھی۔ اس کا علم ہو جانے کے باوجود ان کی حالت زار دیکھ کر حضرت یوسفؑ کو ان پر ترس آگیا۔ ان کی تمام ضرر رسانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انھوں نے بھائیوں کو یہ کہتے ہوئے معاف کر دیا کہ آج تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں' اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی مغفرت فرمائے۔

فتح مکہ کے بعد قریش کی حالت زار ٹھیک وہی تھی جو حکومت مصر کے افسر اعلیٰ کے سامنے برادران یوسف کی تھی۔ وہ سائل بن کر حاضر ہوئے تھے۔ جو سلوک قریش نے ماضی میں آنحضرتؐ سے روا رکھا تھا وہ بھی ٹھیک وہی تھا جو برادران یوسف کا حضرت یوسفؑ کے ساتھ رہا تھا۔ ہجرت کے موقع پر قریش یہی توقع رکھتے تھے کہ مکہ سے دور اپنے قبیلہ سے کٹ کر آنحضرتؐ نہ کہیں قدم جما سکیں گے اور نہ آپؐ کی دعوت پنپ سکے گی لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلی۔ مدینہ میں اس دعوت کو بے حد سازگار ماحول ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے مخلص و جانثار ساتھی ملے۔ اس کے بالمقابل قریش کمزور تر ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی نوبت آئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے آخری الفاظ ہیں فاذھبوا وانتم الطلقاء (جاؤ تم آزاد ہو) ان کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اہل مکہ قیدی بنا لیے گئے تھے تو آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مرالظہران میں ابوسفیان کے ہتھیار ڈالنے اور اہل مکہ کے لیے امن کا پروانہ حاصل کرنے کے بعد نہ کسی کے قید کیے جانے کا امکان تھا نہ کسی کو قید کیا گیا۔ لہٰذا آپ کے اس اعلان کا مطلب یہ تھا کہ آج میں قریش کے تمام مظالم کا انتقام لینے پر قادر اور ان کی بے بسی کا مشاہدہ کر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میرے دل میں ان کے خلاف کوئی بغض نہیں ہے اور میں ان کو معاف کرکے چھوڑ رہا ہوں۔

نبی ﷺ کا عفو عام:

آنحضرتؐ نے معافی کا اعلان صرف انہی لوگوں کے حق میں نہیں کیا جو صحن کعبہ میں آپ کا خطاب سننے کے لیے جمع تھے بلکہ وہ لوگ بھی اس سے مستفید ہوئے جنھوں نے اپنی زندگی حضورؐ کی مخالفت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جب ان کو عفو عام کی اطلاع دی جاتی تو اپنے کانوں کی سماعت پر انھیں یقین نہ آتا۔

آنحضرتؐ کے بڑے دشمن اور بالخصوص وہ لوگ جنھوں نے جتھا بنا کر حضرت خالد بن ولیدؓ کے

لشکر کا رستہ روکا تھا' فتح مکہ کے بعد یا تو بھاگ گئے یا روپوش ہو گئے۔ تمام سیرت نگاروں حتیٰ کہ مستشرقین کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ بھاگنے والوں کا تعاقب ہوا نہ روپوش ہونے والوں کی جستجو کی گئی۔ بھاگنے والے لوگوں میں سے چند سرداروں ____ عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ ____ کا ذکر سیرت نگاروں نے کیا ہے کہ وہ جان بچاتے پھر رہے تھے کہ لوگوں نے ان کو یقین دلایا کہ اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہو جائیں گے تو ان کے ساتھ معاملہ عفو و رحمت ہی کا ہو گا۔ چنانچہ وہ ایک ایک کرکے حاضر ہوئے اور امان پائی۔

عکرمہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے شکست کھا کر یمن کی طرف بھاگ گئے۔ ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث نے اسلام قبول کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عکرمہ کی جان بخشی کی درخواست کی۔ آپؐ نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ ام حکیم فوراً" یمن روانہ ہو گئیں اور عکرمہ کو واپس چلنے کو کہا۔ عکرمہ کو اپنی وہ تمام زیادتیاں یاد تھیں جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھیں۔ اس لیے ان کو یقین نہ آتا تھا کہ مکہ جا کر ان کی جان محفوظ ہو گی۔ بیوی نے ان کے دل سے شک کا کانٹا نکالا اور بتایا کہ آنحضرتؐ سب سے زیادہ وفا شعار' قبیلے کے حقوق کا لحاظ کرنے والے اور نیک ہیں۔ میں ان سے امان طلب کر چکی ہوں اور انھوں نے یقیناً" تمہیں معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ عکرمہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے ان کو آتا دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو ان کے خیر مقدم کی ہدایت فرمائی اور انھیں ان کی یا ان کے والد کی اسلام دشمنی کا کوئی تذکرہ کرنے سے روکا۔ عکرمہ نے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا اور آئندہ زندگی میں اسلام کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنے کی قسم کھائی۔

صفوان بن امیہ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر جدہ پہنچے۔ ان کے ایک عزیز عمیر بن وہب نے مسلمان ہو کر نبی ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ صفوان اپنی قوم کا سردار ہے۔ وہ فرار ہو گیا ہے۔ اپنے تئیں سمندر میں غرق کر لے گا' آپ اس کو امان عطا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا' اس کے لیے امان ہے۔ امان کی علامت کے طور پر آپؐ نے اپنا عمامہ عمیر کو دیا۔ عمیر نے جدہ پہنچ کر صفوان کو معافی کی اطلاع دی اور واپس چلنے کو کہا۔ انھوں نے اس پر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تو عمیر نے یقین دلایا کہ آنحضرتؐ بے حد حلیم و کریم انسان ہیں۔ وہ تمہارے چچا زاد بھائی ہیں۔ ان کی عزت تمہاری عزت' ان کا شرف تمہارا شرف اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے۔ اس پر صفوان مکہ آئے' آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا' عمیر کا گمان ہے کہ آپؐ نے مجھے امان دے دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ صفوان نے کہا کہ آپ مجھے دو ماہ کی مہلت دیں تاکہ میں اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا' تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے' جو چاہو فیصلہ کرو۔ صفوان نے چند ہفتوں کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

سہیل بن عمرو نے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کیے تھے لیکن بعد میں نقض عہد کے بھی مرتکب

ہوئے۔ فتح مکہ کے دن اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے والوں میں شامل تھے۔ شکست کے بعد دروازہ بند کرکے گھر کے اندر بیٹھ گئے۔ ماضی میں اپنے دشمنانہ رویہ کی بنا پر خوف زدہ تھے کہ انھیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ ان کے بیٹے عبد اللہ نے ان کے لیے امان کا پروانہ حاصل کیا۔ سہیل نے فوراً اسلام قبول نہ کیا لیکن لشکر اسلام میں شامل ہو کر حنین کی لڑائی میں حصہ لیا اور واپسی پر جعرانہ کے مقام پر اسلام قبول کیا۔

حویطب کسی احاطہ میں روپوش تھا کہ ابوذرؓ وہاں جا نکلے۔ وہ بھاگنے لگا تو انھوں نے آواز دے کر روکا کہ تمھیں امان ہے۔ چاہو تو میں تمھیں رسول اللہؐ کے پاس لے چلوں اور چاہو تو تمہارے گھر پہنچا دوں۔ حویطب نے حیرت سے پوچھا' مجھے میرے گھر تک پہنچنے کون دے گا۔ رستے ہی میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ ابوذرؓ اس کے ہمراہ ہو لیے اور امان کا اعلان کرتے ہوئے اس کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ بعد میں آنحضرتؐ سے اپنے اس فعل کی تصویب کرالی۔

آنحضرتؐ کی طرف سے امان اور عفو عام کا اثر یہ ہوا کہ نبی ﷺ اور دین اسلام کے بارہ میں اہل مکہ کے شبہات رفع ہو گئے اور انھیں احساس ہوا کہ اب تک ہم بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ نبی ﷺ کو اپنا دشمن سمجھا اور آپ کے پیغام کی قدر نہ کی۔

اہل مکہ کے اسلام کے لیے مہلت:

بعض مستشرقین نے فتح مکہ کے بارے میں یہ تاثر قائم کر دیا ہے کہ اہل مکہ چونکہ مغلوب کر لیے گئے تھے اس لیے ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ واقعات سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اوپر جن سرداروں کا ذکر کیا گیا ہے انھوں نے فی الفور اسلام قبول نہیں کیا بلکہ سوچنے کی مہلت مانگی جو ان کو دے دی گئی۔ عملاً" یہ سردار چند ہفتے بعد جعرانہ میں یا اس کے بعد کسی وقت مسلمان ہوئے۔ روایات کے مطابق جعرانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی سرداروں کی تالیف قلب کے لیے ان کو مال غنیمت میں سے بہت سا مال و منال عطا فرمایا تھا۔ اس تالیف کا مقصد یہی تھا کہ ان کے دل اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے کھلیں اور وہ مسلمان ہو جائیں۔ اگر یہ پہلے ہی زبردستی مسلمان کر لیے گئے ہوتے تو اس داد و دہش کا کوئی موقع نہ تھا۔

صلح حدیبیہ کے دوسرے سال کے دوران میں مشرکین کے بارے میں بعض احکام دیے گئے تھے۔ ان کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔ ان احکام کی رو سے مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دینے کا حکم تھا۔ اس مدت کے گزر جانے کے باوجود اگر وہ اسلام نہ لاتے تو ان کو قتل کیا جا سکتا تھا۔ اہل مکہ پر اسی حکم کا اطلاق ہوا۔ ان کے ہتھیار ڈالنے پر ان کو مہلت دی گئی کہ وہ چار ماہ کی مدت کے دوران اسلام یا کفر میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ اوپر صفوان بن امیہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ انھوں نے فیصلہ کے لیے دو ماہ کی مہلت مانگی لیکن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمھیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس ارشاد کا سبب یہی تھا کہ قرآن مجید کے احکام میں چار ماہ ہی مقرر کیے گئے تھے۔ اس عرصہ میں مشرکین کو

قرآن کی تعلیم سے آشنا کرنے کا حکم بھی تھا۔ جوں جوں لوگ اسلام کی تعلیم اور اس کے اخلاق سے آگاہ ہوتے گئے وہ اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے۔ کسی نے فتح مکہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کر لیا۔ کسی نے فیصلہ کرنے میں چند روز یا چند ہفتے صرف کیے لیکن چار ماہ کی معینہ مدت کے اندر اندر مکہ کی تمام آبادی مسلمان ہو گئی۔ ان کے ساتھ تلوار کا معاملہ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

اہل مکہ سے دوسرا خطاب:

دو قبائل ہذیل اور خزاعہ کے مابین دشمنی تھی۔ ایک ہذلی ابن الاثوع نے خزاعہ کے احمر نامی ایک بہادر شخص کا قتل کیا تھا۔ فتح مکہ کے اگلے روز ابن الاثوع کو خزاعہ کے خراش بن امیہ نے مکہ میں دیکھ لیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپؐ نے ایک خطاب میں حرم مکہ کے حقوق بیان فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے لوگو! جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان بنائے ہیں اسی دن سے مکہ کی سرزمین کو محترم بنایا ہے۔ یہ سرزمین روز قیامت تک محترم ہے۔ کسی شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو' یہ جائز نہیں کہ وہ حدود حرم میں خون بہائے اور نہ یہ جائز ہے کہ یہاں سے درخت کاٹے۔ مجھ سے پہلے جو لوگ گزرے ان میں سے کسی کے لیے حرم حلال نہیں ہوا اور جو میرے بعد ہوں گے ان کے لیے بھی یہ حلال نہیں ہو گا۔ میرے لیے بھی بس ایک ساعت کے لیے اس کی حرمت ساقط کی گئی۔ پھر یہ اسی طرح لوٹ آئی جیسی کل تھی۔ موجود لوگ غیر موجود لوگوں کو یہ احکام پہنچا دیں۔ اے خزاعہ قتل سے ہاتھ روکو۔ قتل کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس وقت جس شخص کو تم نے قتل کر دیا ہے اس کی دیت تو میں ادا کروں گا۔ لیکن اس خطاب کے بعد کوئی قتل ہوا تو مقتول کے اہل خاندان کو اختیار ہو گا کہ چاہیں تو وہ قاتل کی جان لیں اور چاہیں تو اس سے خون بہا طلب کریں۔

یہ بات بھی سن لو کہ غلطی سے قتل ہونے والا بھی کوڑے یا لاٹھی سے عمداً" مارے جانے والے کی مانند ہے۔ قتل خطا میں کامل دیت ادا کرنی ہو گی یعنی سو اونٹ جن پر چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں گی"

(خطاب کے اس آخری حصہ کو سیرت نگاروں نے پہلے دن کے خطاب میں شامل کیا ہے حالانکہ اس میں یہ بالکل غیر مربوط ہے۔ قتل کا واقعہ پیش آ جانے کے بعد اس کا موقع پیدا ہوا اور یہ اسی دوسرے خطاب کے لیے موزوں موضوع تھا۔ ہمارے نزدیک اس کو پہلے خطاب کا حصہ بنانا صحیح نہیں۔)

حرم شریف کی حرمت کے بارے میں یہ آپ کی نہایت بروقت تنبیہہ تھی جس کے شاہد عرب کے متعدد قبائل سے آئے ہوئے لوگ اور خود اہل مکہ بنے۔ اس تنبیہہ کا مقصد یہ تھا کہ مکہ پر آپ کی چڑھائی کو مثال بنا کر لوگ مستقبل میں اس کی حرمت کو پامال نہ کریں۔ خود آپ کے لیے حرمت ساقط کی گئی تو اس لیے کہ اہل مکہ آپ کی رسالت کے اولین مخاطب تھے اور رسولوں کے بارے میں

اللہ کا قانون یہ ہے کہ اگر ان کی قوم تکذیب کی مجرم ہو تو اس کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اہل ایمان کی تعداد کافی ہو تو ان کی تلواروں سے مکذبین کا قلع قمع کیا جاتا ہے۔ بہر طور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ہمیشہ ان کے دشمنوں پر غالب کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو قبل از وقت اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ فرمایا!

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون ○ (انفال ۳۶)

(بلا شبہ یہ کافر اپنے مالوں کو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے خرچ کر رہے ہیں۔ سو یہ ان کو خرچ کرتے ہی رہیں گے' پھر یہ ان کے لیے باعث حسرت بن جائیں گے' پھر یہ مغلوب کر لیے جائیں گے)

حرم مکہ کی حرمت ساقط کرنے کے بارے میں ہدایت بھی آپ کو پہلے ہی دی جا چکی تھی جب فرمایا:

واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنہ اشد من القتل ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم کذلک جزاء الکفرین ○ (بقرہ ۱۹۱)

(اور ان کو جہاں کہیں تم پاؤ قتل کرو اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس خود پہل کر کے جنگ نہ کرو جب تک وہ تم سے اس میں جنگ نہ چھیڑیں۔ پس اگر وہ تم سے جنگ چھیڑیں تو ان کو قتل کرو۔ یہی کافروں کا بدلہ ہے۔)

حرمت بیت اللہ کے بارے میں حضورؐ کا دیا ہوا یہ چارٹر رہتی دنیا تک اہل اسلام کے لیے مشعل راہ ہے۔

حرم کو مظاہر شرک سے پاک کرنے کی مہم:

مکہ فتح ہوتے ہی آپ نے اہل مکہ اور اطراف کے قبائل میں پارٹیاں بھیجیں تاکہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ مظاہر شرک کو ختم کرائیں لیکن کسی سے جنگ نہ کریں۔ جہاں آپ نے خود حرم کعبہ کے اندر سے بتوں اور تصاویر کو ختم کرنے میں حصہ لیا وہیں اس بات کی منادی بھی کرائی کہ لوگوں نے گھروں کے اندر جو بت رکھے ہوں وہ ان کو توڑ دیں۔ فتح مکہ کے دوسرے روز اہل مکہ کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ نبی ﷺ کوہ صفا پر تشریف فرما ہو گئے۔ لوگ آتے اور اسلام اور سمع و طاعت پر بیعت کرتے۔ مردوں کے بعد خواتین نے اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں آنحضرتؐ کے پندرہ دن کے قیام کے دوران اطراف مکہ سے بھی لوگ آ آ کر اسلام قبول کرتے رہے۔

فتح مکہ کے چند یوم بعد اطراف میں نصب شدہ بتوں کو توڑنے کے لیے آپ نے پارٹیاں تشکیل دیں۔ نخلہ کے مقام پر عزیٰ کا بت نصب تھا جو قریش' کنانہ اور مضر کا خاص بت تھا۔ بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ تیس سواروں کے ہمراہ حضرت خالد بن ولید اس کو گرانے گئے۔ جب وہ اسے گرا کر واپس آئے تو حضورؐ نے فرمایا! اب کبھی عزیٰ کی پرستش نہ ہو گی۔ ہذیل کا خاص بت سواع مکہ سے تین میل دور نصب تھا۔ عمرو بن العاص کو اس کا معبد ڈھانے کے لیے بھیجا گیا۔ خزاعہ اور بنو کلب کو خاص عقیدت منات سے تھی اور مدینہ کے قبائل اوس و خزرج بھی اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے اس کو گرانے پر انصار ہی کے ایک فرزند سعد بن زید اشہلی کو مقرر فرمایا۔ انھوں نے بیس ساتھیوں کے ہمراہ اس بت کا نام و نشان مٹا دیا۔ اس طرح چند روز کے اندر مسلمانوں کا قبلہ آزاد اور شرک و مظاہر شرک سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خاص ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی مدت قیام ہی میں حدود حرم مقرر فرمائیں اور تمیم بن اسید خزاعی کو حکم دیا کہ وہ ان حدود پر پتھر لگا دیں۔ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اس طرح حرم کعبہ کو پھر اس کی اصل پر لوٹا دیا گیا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے قائم کیا تھا۔ اب یہ دین حنیف کے اصل وارثوں کے قبضہ میں تھا۔

بعض اہم فیصلے:

مکہ کی فتح کے اس اہم موقع پر کئی نئے مسائل پیدا ہوئے جن کے ضمن میں آنحضرتؐ نے نہایت اہم فیصلے فرمائے اور ہدایات دیں جن سے دین کا مزاج سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مثلاً

(ا) مکہ فتح ہونے پر بعض لوگوں کا' جو مدینہ کو ہجرت کر چکے تھے' خیال یہ تھا کہ مکہ میں ان کی املاک ان کو لوٹا دی جائیں گی۔ خود نبی ﷺ کو بھی مشورہ دیا گیا کہ آپ اپنے مکان میں قیام فرمائیں۔ آپ نے ایسے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ ہجرت کر جانے کے بعد وہ اپنے مکانوں میں دلچسپی نہ لیں بلکہ توقع رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو ان مکانات کے بدلے میں کہیں بہتر مکان عطا فرمائے گا۔

اس ہدایت میں یہ پیغام پوشیدہ تھا کہ ہجرت تو نام ہی اللہ کے لیے ہر چیز سے دستبردار ہو جانے کا ہے۔ جب ایک مرتبہ املاک کی قربانی دی جا چکی تو اب ان کو واپس حاصل کرنے کی طمع صرف ہجرت کو ناقص کرنے کا سبب بنے گی۔ لہٰذا ایک مہاجر کے اندر اپنے قدیمی گھر کے لیے کوئی رغبت نہیں ہونی چاہیے۔

انصار کو یہ خیال ہوا کہ فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر آبائی وطن کی محبت نہ جاگ اٹھے۔ آنحضرتؐ کو ان کے خیالات کا علم ہوا تو وضاحت فرمائی کہ ہجرت کے بعد اب میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔

(ب) مجاشع بن مسعودؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی کو لے آئے اور بتایا کہ میرا یہ بھائی ہجرت پر بیعت کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے جواب دیا ہجرت کرنے والے ہجرت کی

برکات سے مستفید ہو چکے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اب میں صرف اسلام' ایمان اور جہاد پر بیعت لوں گا۔

یہ ایک اہم نکتہ تھا۔ ہجرت ہر نقل مکانی کا نام نہیں۔ وہ تو دین کے قیام کی جدوجہد اور اپنے دین کے تحفظ کے لیے کی جاتی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے دینی جدوجہد کے لیے تمام مسلمانوں کا یکجا ہونا ضروری تھا۔ اس لیے ملک بھر کے مسلمانوں کو اپنے مرکز مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ فتح مکہ سے قبل ہجرت اسلام اور نفاق میں امتیاز کی علامت بن گئی۔ جب مکہ سے مدینہ تک دارالاسلام بن چکا تو اب ہجرت کا کیا موقع باقی رہا۔ اگلا مرحلہ تو جہاد کا تھا تاکہ دین کو پورے جزیرہ عرب میں پھیلا دیا جائے۔ لٰہذا آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ اب جہاد کرنا اور نیت رکھنا ہو گا۔ یعنی ہر مسلمان کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ اگر مجھے دین کی حفاظت کے لیے وطن چھوڑنا پڑا تو اس سے دریغ نہیں کروں گا۔

(ج) قیام مکہ کے دوران آنحضرتؐ کے سامنے چوری کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں کسی قرشی خاتون سے یہ جرم سرزد ہوا تھا۔ اس کے متعلقین کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور انھوں نے اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر حضورؐ کے پاس بھیجا کہ ملزمہ معزز خاندان کی خاتون ہے' اس کو معاف کر دیا جائے۔ آپ نے نہایت تند لہجے میں فرمایا کہ اسی طرح کی حرکتیں پچھلی قوموں کو لے ڈوبیں کہ وہ مالداروں کے جرائم معاف کر دیتے اور غریبوں پر قانون نافذ کرتے۔ اللہ کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی اس جرم کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔ یہ کہہ کر آپؐ نے خاتون پر حد جاری فرمائی۔

یہ اسلام کے تصور عدل و قسط کی عملی وضاحت تھی۔ آنحضرتؐ نے یہ سبق دیا کہ قانون کا اطلاق چھوٹے بڑے' امیر و غریب سب پر یکساں ہونا چاہیے اور اس میں کسی کے خاندانی مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اسے مستثنیٰ قرار دینا قوم کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے نفاذ قانون کے معاملہ میں سفارش کرنے پر اسامہؓ کی طرف خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

(د) انھی دنوں دوسرے مقدمات میں آپؐ نے شریعت کے بعض اہم اصول بیان فرمائے۔ مثلاً"

(i) وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔ یہ صرف غیر وارثوں کے حق میں کی جا سکتی ہے۔

(ii) وراثت انھی کو پہنچے گی جو ایک ہی ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔

(iii) بچہ جس کے گھر میں پیدا ہوا اسی کا مانا جائے گا۔ بدکار نامراد ہو گا۔

(یہ فیصلہ حضور نے عتبہ بن ابی وقاص کے اس دعوئی کے باب میں کیا کہ زمعہ کی لونڈی سے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ زمعہ کا نہیں' میرا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ دعوئی رد کر دیا)

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے	پیسے
1- مجموعہ تفاسیر فراہی	264	00
2- حکمت قرآن	75	00
3- اقسام القرآن	00	00
4- ذبیح کون ہے	00	00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

	روپے	پیسے
1- تدبر قرآن : (9 جلد)	2376	00
: (فی جلد)	264	00
2- مبادی تدبر قرآن	87	00
3- مبادی تدبر حدیث	72	00
4- حقیقت شرک و توحید	105	00
5- حقیقت نماز	45	00
6- حقیقت تقویٰ	45	00
7- تزکیہ نفس : جلد اول (شائع کردہ ملک سنز)	00	00
: جلد دوم	87	00
8- دعوت دین اور اس کا طریق کار	90	00
9- اسلامی قانون کی تدوین	60	00
10- اسلامی ریاست	00	00
11- اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	60	00
12- اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	87	00
13- قرآن میں پردے کے احکام	10	00
14- فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	90	00
15- تفہیم دین	72	00
16- مقالات اصلاحی : جلد اول	114	00
: جلد دوم	00	00
: جلد سوم	00	00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ' اچھرہ' لاہور- 54600 - پاکستان

فون = 7595200